A METHOD OF PRAYER.

طریقِ دُعا

از میڈم گیون صاحبہ

پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

۱۹۰۶ء

P. R. B. S., LAHORE.

قیمت ۲/

باراوّل تعداد ۱۰۰۰

مفید عام پریس لاہور

فہرستِ مضامین

صفحہ

طریقِ دُعا

مفید عام پریس لاہور

غلام معین الدین
۱.۳.۱۹۸۵

طریقِ دُعا

پہلی فصل

مُقدّمہ۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ سب لوگ دُعا کے لئے مدعو کئے گئے ہیں اور معمولی توفیق الٰہی سے اپنے دل میں دُعا کر سکتے ہیں جو نجات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور ہر وقت اور سادہ سے سادہ آدمی اُسے بجا لا سکتا ہے۔

سب انسان دُعا کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اور اس لئے اسے بدقسمتی سمجھنا چاہیئے کہ عموماً لوگوں کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ وہ دُعا کے لئے بُلائے نہیں گئے۔ لیکن حق یہ ہے کہ جیسے ہم سب کو نجات کی دعوت دی گئی ہے اسی طرح سب کو دُعا کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

دُعا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم دُعا کے ذریعے سے اپنے دل کو خدا سے وصل کرتے ہیں اور اپنے باطن میں اس کی محبّت و اُلفت کو محسوس کرتے ہیں۔ مقدّس پولوس ہمیں ہدائت کرتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ دُعا میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اور ہمارا خداوند بھی فرماتا ہے کہ "میں تم سب سے

کہتا ہوں جاگتے رہو اور دُعا مانگو۔" (۱ تسلونیقیوں ۵: ۱۷ + مرقس ۱۳: ۳۳ و ۳۷) اس سے ثابت ہے کہ سب دُعا مانگ سکتے ہیں اور سب کو دُعا مانگنی چاہیئے۔ مگر البتہ مَیں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ سب آدمی غور و تفکر نہیں کر سکتے۔ اور تھوڑے آدمی ہیں جو اس امر کی قابلیت رکھتے ہیں اس لئے یہ اس قسم کی دُعا نہیں جو خدا تم سے چاہتا ہے اور نہ ہم اس وقت اس قسم کی دُعا کا ذکر کرتے ہیں۔ اس لئے اے میرے بھائیو تم میں سے جو نجات کے خواہشمند ہیں۔ آؤ تم سب دُعا مانگو۔ اور تمہیں دُعا پر زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ باہمی محبّت سے رہنا تمہارے لئے ضروری ہے۔ "میں تمہیں صلاح دیتا ہوں کہ مجھ سے آگ میں تایا ہؤا سونا لو تا کہ تم دولتمند ہو جاؤ۔" (مکاشفہ ۳: ۱۸) اسے حاصل کرنا تمہارے لئے بہت آسان ہے۔ ہاں تمہارے خیال کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ "تم جو پیاسے ہو زندہ پانی کے پاس آؤ۔" (یوحنا ۷: ۳۷ و ۳۸) اور "تالاب کھودنے ہیں جن میں پانی نہیں ٹھیر سکتا اپنی مسخری نہ اُڑاؤ۔" (یرمیاہ ۲: ۱۳)۔ اے بھوکو پیاسو جنہیں کسی چیز سے تشفّی نہیں ملتی۔ آؤ۔ اور تمہیں پوری تسکین ملیگی۔ اے مصیبت زدہ لوگو جو رنج و غم کا شکار ہو رہے ہو آؤ اور تمہیں تسلّی ملیگی۔ اے بیمارو۔ اپنے طبیب کے پاس آؤ اور اپنی بیماریوں کے بوجھ کے سبب اس کے پاس آنے سے مت ڈرو۔ اپنی ساری بیماریاں اُسے دکھاؤ اور وہ تمہیں شفا بخشیگا۔ اے بچو اپنے باپ کے پاس آؤ۔ اور وہ اپنی آغوشِ محبّت میں تمہیں جگہ دیگا۔ اے بیچاری بھولی بھٹکی بھیڑو۔ اپنے چوپان کے پاس آؤ۔ اے گنہگارو اپنے نجات دہندہ کے پاس آؤ۔ اے سست

اور جاہل لوگو۔ تم سب دُعا کی قابلیّت رکھتے ہو۔ بلکہ تم جو اپنے کو اسکے ناقابل سمجھے بیٹھے ہو تمہیں تو زیادہ تر اس کے قابل ہو۔ تم سب بغیر کسی استثنا کے آؤ۔ یسُوع مسیح تم سبھوں کو بُلاتا ہے۔ مگر جو دل سے اس امر کے خواہشمند نہیں وہ نہ آئیں کیونکہ صرف وہی اس دعوت سے محروم ہیں۔ کیونکہ محبّت کے لئے دِل کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن کون ہے جو دل نہیں رکھتا؟ تو آؤ اور اپنا دل خدا کو دو۔ اور اس دِل دینے کا طریق سیکھو۔ تم سب جو دُعا مانگنے کے خواہاں ہو معمولی توفیق الٰہی کی مدد سے اور روح القدس کی بخشش سے جس میں سب مسیحی شریک ہیں بڑی آسانی سے مانگ سکتے ہو؛

دُعا کاملیّت اور اعلیٰ عافیت کی کلید ہے۔ یہ تمام بدیوں سے بچنے اور تمام خوبیوں کے حاصل کرنے کا مجرّب نسخہ ہے۔ کیونکہ کامل ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ خدا کی حضوری میں چلنا ہے۔ چنانچہ خود خدا حضرت ابراہیم سے فرماتا ہے کہ "تُو میرے حضور میں چل اور کامل ہو" (پیدائش ۱۷: ۱) اور یہ حضوری فقط دُعا کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کے ذریعے سے ہمیشہ حاصل ہو سکتی ہے؛

اس لئے تمہیں اس قسم کی دُعا سیکھنی چاہئے جو تم ہر وقت مانگ سکو۔ جو تمہارے دُنیاوی کاروبار میں مُخل نہ ہو۔ اور جسے بادشاہ۔ حاکم۔ پادری۔ قاضی۔ سپاہی۔ بچّے۔ دوکاندار۔ مزدور۔ عورتیں اور بیمار سب کے سب مانگ سکیں۔ یہ دماغ کی دُعا نہیں بلکہ دل کی دُعا ہے۔ یہ خیال کی دُعا بھی نہیں ہے کیونکہ رُوحِ انسانی کی قوّتیں ایسی محدود ہیں کہ جب وہ ایک بات کو سوچتا ہے تو دوسری اس کے

خیال سے باہر ہوتی ہے۔ مگر یہ دل کی دُعا ہے جسے ذہن کے اشغال ہرگز روک نہیں سکتے۔ لیکن اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ دِل ہی کی کوئی بیجا خواہش ہے۔ اور جب ایک دفعہ رُوح خدا اور اسکی محبت کی شیرینی کا مزہ چکھ لیتا ہے تو ممکن نہیں کہ اُسے پھر اُسکے سوا کسی اور چیز میں مزہ آئے۔

خدا کو حاصل کرنے اور اس کا لطف اُٹھانے سے بڑھ کر کوئی چیز آسان نہیں وہ خود ہم سے زیادہ ہم میں سکونت کرتا ہے (نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ) ہم اُسے حاصل کرنے کے اس قدر خواہاں نہیں جس قدر وہ اپنے کو ہمیں دینے کا خواہشمند ہے۔ لیکن سارا مدار اس بات پر ہے کہ ہم اُسے صحیح طور سے ڈھونڈیں۔ اور یہ طریق ایسا آسان اور ہماری طبیعت کے مطابق ہے کہ شائد ہوا جس سے ہم دم لیتے ہیں ایسی آسان نہ ہوگی۔ اور تُو بھی جو اپنے کو سُست اور بالکل ناکارہ سمجھتا ہے ایسی ہی آسانی سے اور ایسے دائمی طور پر دُعا میں رہ سکتا ہے یا یُوں کہو کہ خدا کو بھوگ سکتا ہے۔ جیسے کہ تُو ہوا کو سانس کے ساتھ کھینچتا ہے۔ تو کیا اگر اب بھی تم دُعا میں زندگی بسر نہ کرو تو کیا یہ بڑا بھاری جرم نہیں ہوگا؟ مگر مجھے کچھ شک نہیں کہ جب تمہیں اس کا طریق معلوم ہو جائے گا تو تم ضرور اِس پر کاربند ہوگے۔ اور یہ طریق نہایت ہی آسان ہے۔

دوسری فصل

۱- دُعا کی پہلی منزل دو طریق پر ہے۔ اوّل مطالعہ غور و فکر کے ساتھ۔ دوم فقط غور و فکر۔

۲و۳ - غور و فکر کے بعض عمدہ طریق اور اُسکے استعمال کا طور ۔

۴ - اور مشکلات پر غالب آنے کا ڈھنگ ۔

رُوح کو دُعا میں داخل کرنے کے دو طریق ہیں - جو کچھ عرصہ تک استعمال کرنے ضروری ہیں - اوّل غور و فکر - دوم مطالعہ کے ساتھ غور و فکر کرنا ۔

مطالعہ کے ساتھ غور و فکر اس طور سے ہے کہ کسی اعلیٰ سچّائی کو لیکر جس میں عمل و فکر دونوں طور سے فائدہ نکل سکے مگر خاص کر اوّل امر میں اس پر اس طور سے غور کرو - اوّل اُس سچّائی کو لیکر جو تم نے کسی کتاب میں انتخاب کی ہے فقط دو تین سطور آہستہ آہستہ پڑھو تاکہ تم اس کا مزا لو - اور ہضم کرسکو - اور یہ کوشش کرو کہ اس کا رس اور مغز کھینچ سکو - اور جب تک اس میں لطف آئے اُسی مقام پر اپنی توجہ کو جمائے رکھو - اور جب تک وہ مقام پھیکا معلوم نہ دے آگے مت بڑھو ۔

اس کے بعد دو تین سطریں آگے پڑھو - اور اس پر بھی اسی طرح غور و فکر کرو - مگر ایک ہی وقت میں ایک صفحہ سے زیادہ نہیں پڑھنا چاہیئے - کیونکہ فائدہ اس سے نہیں کہ تم نے کس قدر پڑھا ہے بلکہ اس سے کہ تم نے کس طور سے پڑھا ہے - اس لئے جو لوگ جلد جلد پڑھتے چلے جاتے ہیں اپنے مطالعہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے - جیسے کہ شہد کی مکھی فقط پھولوں پر سے گزرنے سے پھولوں کا رس نہیں چوس سکتی بلکہ ان پر بیٹھ جاتی ہے - بہت پڑھنا معمولی علمیت حاصل کرنے کے کام آتا ہے نہ رُوحانی یا باطنی علم حاصل کرنے کے - لیکن روحانی کتابوں سے اگر فائدہ اُٹھانا مقصود ہو تو انہیں مذکورہ بالا طریق پر مطالعہ

کرنا چاہئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی شخص اس صلاح پر عمل کریگا تو وہ رفتہ رفتہ اس قسم کے مطالعہ سے دُعا کا عادی ہو جائیگا اور اس کی طبیعت بہت کچھ اس طرف مائل ہو جائیگی ۔

دوسری بات جس سے دُعا میں مدد ملتی ہے غور و تفکّر ہے۔ جو پڑھنے کے وقت نہیں بلکہ ایک دوسرے وقت میں کرنا چاہئے۔ جو خاص اس غرض کے لئے ٹھیرایا ہو۔ میرے نزدیک اسے اس طور پر شروع کرنا مناسب ہے۔ پہلے پُر محبت ایمان کے ذریعے سے خدا کے اس جگہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین کرو۔ اور پھر کوئی پُر مضمون فقرہ پڑھو اور پھر پھر کر اس پر توجہ کو لگادو۔ نہ اس پر غور و بحث کرنے کی نیّت سے بلکہ محض اپنی توجہ کو قائم کرنے کے لئے۔ اور یہ یاد رکھو کہ اصل مشق خدا کی حضوری کو اپنے ذہن میں قائم کرنے کے لئے ہے۔ اور وہ فقرہ محض توجہ کو قائم کرنے کے لئے ہے نہ غور و بحث کے لئے۔ اس بات کا کامل یقین کہ خدا ہمارے دل کی تہ میں حاضر و ناظر ہے ضرور ہمارے دل میں یہ تحریک پیدا کریگا کہ ہم اپنے باطن میں غرق ہو جائیں اور اپنے تمام خیالوں کو اپنے اندر جمع رکھیں اور اُنہیں اِدھر اُدھر پراگندہ نہ ہونے دیں۔ اور یہ ایک نہائت عمدہ طریق ہے جس کے ذریعہ سے ہم بیشمار پریشان کرنے والی باتوں سے بچ سکتے اور بیرونی اشیاء کو اپنے دل سے دُور کر سکتے ہیں تا کہ خدا کی حضوری میں حاضر ہوں۔ جو فقط ہمارے باطن کی تہ میں یا یوں کہو کہ ہمارے مرکز میں مل سکتا ہے۔ کیونکہ یہی قُدس الاقداس ہے جس میں وہ سکونت پذیر ہے۔ (قُلُوبُ الْمُؤمِنِینَ عَرشُ اللہِ تعالےٰ)۔ ہاں اُس نے وعدہ فرمایا ہے کہ " اگر

کوئی آدمی اُس کی مرضی کو بجالائے تو وہ خود اس کے پاس آئیگا اور اسکے اندر سکونت کریگا" (یُوحنّا ۱۴: ۲۱ و ۲۳) ٭

مُقدّس آگستن اس بات کے لئے سخت افسوس کرتا ہے کہ میں نے کیوں اس قدر عمر کا حصّہ ضائع کیا اور کیوں پہلے ہی سے اس طور پر خدا کو نہ ڈھونڈا ٭

اس لئے جب کوئی شخص اپنے باطن میں گویا غرق اور رجوع ہوجاتا ہے۔ اور اپنی باطنی تہ میں الہٰی حضوری کی زندہ احساس سے منجذب ہوجاتا ہے۔ جب اس کے تمام خیالات سب طرف سے مجتمع ہوکر محیط سے مرکز میں قائم ہوجاتے ہیں۔ (گو فی الحقیقت یہ امر مبتدی کے لئے ذرا دشوار ہے لیکن بعد ازاں مشق سے آسان ہوجاتا ہے۔ جیساکہ میں آگے چل کر بیان کرونگی) الغرض جب رُوح اپنے اندر مجتمع ہوجاتی ہے اور بڑی ملائمت اور فرحت وخوشی سے اُس سچائی میں جو اس نے پڑھی ہے مشغول ہوجاتی ہے نہ اس طور پر کہ اُس سچائی پر غور وبحث کرے۔ بلکہ زیادہ تر اس طور پر کہ اس سے حظّ ولطف اُٹھائے۔ اور غور وفہم کی نسبت قوّتِ ارادی کو اُلفت ومحبت کے ذریعے سے تحریک دے۔ اور جب اُلفت اس طرح محرّک ہو تو چاہیئے کہ اُسے کچھ دیر تک چین واطمینان سے آرام کرنے دو۔ تاکہ جو کچھ حظّ اُسے حاصل ہؤا ہے اُسے اچھی طرح سے نگل سکے ٭

کیونکہ فرض کرو کہ ایک لذیذ خوراک کو چبائے اور اُس کا مزا لے لیکن اگر وہ مُنہ کی حرکت کو ذرا بند کرکے اُسے نگل نہ لے تو اس سے اسکے جسم کی کچھ پرورش نہ ہوگی۔ اسی طرح جب انسان کی اُلفت کو تحریک ہو اور وہ برابر حرکت کرتا چلا جائے تو اس سے اس کی آتشِ محبّت سرد

ہوجائیگی اور اُس کی رُوح کو کچھ خوراک نہ ملیگی۔ اس لئے یہ نہائت ضرور ہے کہ جس چیز کو چبائے یا اُس کا مزا لے۔ ذرا آرام و اطمینان کے ساتھ اُسے نگل بھی لے۔ یہ طریق نہائت ضروری ہے اور اس پر کاربند ہونے سے رُوح تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر ترقی کر جائیگی جو شائد اور طرح سے سالہاسال میں حاصل ہوتی ؛

مگر جیسا کہ میں اِدھر اشارتاً ذکر کر چکی ہوں اصل بات یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اس امر کی کوشش کریں کہ الٰہی حضوری کو دل سے محسوس کرنے لگ جائیں اور اس بات کے لئے ہم کو بہت ہی توجہ اور استقلال درکار ہے۔ اور جب کبھی ہمارے حواس اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگیں تو اُنہیں فوراً واپس لاکر جمع کر دیں۔ ان تمام پریشانیوں اور انتشاروں سے بچنے کا یہی نہائت عمدہ اور مؤثر طریق ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ان پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریگا تو اس سے وہ اَور بھی زیادہ ہونگی اور دق کرینگی۔ لیکن برخلاف اس کے جب کوئی آدمی ایمان کی آنکھوں سے خدا کی حضوری کو محسوس کر کے اپنے باطن میں غرق ہوجائیگا اور فقط اپنے کو جمع کرنے کی کوشش کریگا تو اُس سے ہم انکا مقابلہ عمدہ طور سے کر سکینگے۔ کیونکہ وہ خود بخود ہمارے خیال سے خارج ہوجائینگے اور بہت محنت اور جدّ و جہد کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑیگی ؛

اس کے علاوہ میں مبتدیوں کو صلاح دیتی ہوں کہ اُن کو نہیں چاہئے کہ جلدی جلدی ایک سچائی سے دوسری سچّائی یا ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف طبیعت کو منتقل کرتے جائیں۔ بلکہ جس قدر دیر تک ممکن ہو اور اس سے روحانی ذائقہ حاصل ہو ایک ہی سچائی

پر توجہ قائم رکھیں۔ یہی عمدہ طریق ہے جس سے ہم تھوڑی دیر میں سچائی کے اندر داخل ہو کر اس کا مزا اُٹھا سکتے اور اپنے دل پر نقش کر سکتے ہیں۔
میں نے اُوپر لکھا ہے کہ مبتدی کے لئے شروع شروع میں اپنے کو مجتمع کرنا مشکل ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ رُوح محض بیرونی اشیاء پر غور و فکر کرنے کا عادی ہے۔ لیکن جب وہ اپنے پر جبر کر کے ایک دفعہ اجتماع خاطر کا عادی ہو جاتا ہے تو یہ امر بہت ہی آسان ہو جاتا ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ اُسے اس کی عادت ہو جاتی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ خدا جو ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے کو اپنے بندوں کے حوالے کر دے اس قدر کثرت سے اپنی توفیق اور اپنی حضوری کی لذت بخشتا ہے کہ یہ عادت نہائت ہی آسان اور فرحت بخش معلوم ہونے لگتی ہے۔

تیسری فصل

۱۔ جو لوگ پڑھ نہیں سکتے اُن کے لئے محض تفکر کی دُعا۔

۲ و ۳۔ خداوند کی دُعا اور خدا کے تعلقات سے جو وہ ہم سے رکھتا ہے اسکا لگاؤ۔

۴۔ دعا کی پہلی منزل سے دوسری منزل تک پہنچنا +

جو لوگ پڑھ نہیں سکتے وہ بھی اس طریقِ دُعا کے فوائد سے محروم نہیں رہ سکتے۔ یسوع مسیح ہی وہ کتاب عظیم ہے جو اندر باہر سب لکھی ہوئی ہے اور اپنی سب باتوں کی تعلیم دیگا۔ ایسے اشخاص کو یہ طریق اختیار کرنا چاہئے۔ اوّل اُنہیں اس بنیادی اصول کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ "خدا کی بادشاہت اُن کے اندر ہے۔" (لوقا ۱۷: ۲۱) اور اُس کی

تلاش کرنی چاہیئے ۔

جو لوگ رُوحوں کی نگہبانی پر مقرر ہیں اُنہیں چاہیئے کہ جیسے وہ اپنے لوگوں کو سوال وجواب کے رسالہ کی تعلیم دیتے ہیں ویسے ہی طریق دُعا بھی سکھایا کریں - وہ انہیں یہ تو سکھاتے ہیں کہ خدا نے اُنہیں کس مقصد کے لئے خلق کیا ہے - مگر وہ کافی طور پر انہیں اس امر کی تعلیم نہیں دیتے کہ انسان کو اس مقصد کو کس طرح حاصل کرنا چاہیئے - میری یہ دِلی آرزو ہے کہ وہ اُنہیں اس طریق کی تعلیم دیں جس کا میں نے ذکر کیا ہے - یعنی یہ کہ سب سے پہلے وہ سچے دل سے خدا کی عبادت و پرستش بجالائیں اور اپنے کو خدا کے حضور میں عاجز و ذلیل کریں - اور اسی طور سے اپنی جسمانی آنکھوں کو بند کر کے اپنی رُوحانی آنکھیں کھولنے کی کوشش کریں - تب وہ اپنی ساری توجہ کو اپنے باطن میں لگا دیں اور یہ یقین کر کے کہ خدا ہمارے باطن میں موجود ہے خدا کی حضوری کو محسوس کرنے کی مشق کریں - اور اپنے خیالات اور طبعی میلانوں کو منتشر ہونے نہ دیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو اُنہیں اپنے قابو اور اختیار میں رکھیں ۔

جب یہ حالت حاصل ہو جائے تو خداوند کی دُعا پڑھنی شروع کریں - اور کسی حد تک ان الفاظ کا جو اُن کی زبان سے نکلیں مطلب و معانی سمجھنے کی کوشش کریں - اور یہ یقین کریں کہ خدا جو رُوح کے باطن میں موجود ہے اُن کا باپ بننے کا بہت ہی خواہشمند ہے - جب اس مزاج کو حاصل کر لیں تو اس سے اپنی حاجات طلب کریں - اور لفظ باپ زبان سے نکلنے کے بعد چند لمحوں تک بڑے ادب و تعظیم سے خاموشی اختیار کریں - اور اس بات کے منتظر رہیں کہ آسمانی باپ اپنے فضل و

کرم سے اپنی رضامندی کو ان پر ظاہر کرے ٭

اور اوقات میں مسیحی کو چاہئے کہ اس بات کا تصور کرکے کہ وہ ایک بچہ کی مانند ہے جو بالکل ماندہ ہو رہا ہے اور گرتے گرتے اُس کا سارا جسم میلا ہو رہا ہے اور اب اُس میں نہ تو یہ طاقت ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ نہ یہ کہ اپنے آپ کو پاک وصاف کر سکے۔ اس لئے نہائت عاجزی سے اپنی یہ شرمناک حالت اپنے باپ کے سامنے پیش کرنا ہے اور اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی رنج و محنت کے الفاظ استعمال کرے۔ اس کے بعد پھر خداوند کی دعا کے فقرے پڑھے۔ اور یہ دُعا کرے کہ جلال کا بادشاہ اس کے دل میں حکومت کرے۔ اور اس غرض کے لئے فی الحقیقت اپنے کو ان کے حوالے کردے۔ اور جو حق خدا کو ہم پر حاصل ہے اپنے کو بالکل اس کی تفویض کردے ٭

اگر اُس کے دل کا میلان اطمینان اور خاموشی کی طرف ہے تو اسے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ بلکہ جب تک یہی حالت قائم رہے وہاں سے نہ ٹلے۔ اُس کے بعد وہ دوسری درخواست پڑھے یعنی تیری مرضی جیسے آسمان پر پُوری ہوتی ہے زمین پر بھی بر آئے۔ اور پھر یہ خواہش کرے کہ خدا کی مرضی ان کے اندر اور ان کے ذریعے سے بر آئے۔ اور اس لئے اپنے دل اور اپنی آزادی و اختیار کو خدا کے حوالے کردیں تا کہ وہ اپنی رضا کے مطابق ان سے کام لے سکے۔ اور چونکہ قوّتِ ارادی کا خاص فعل محبّت ہے اس لئے اُسے چاہئے کہ محبّت کا آرزومند ہو اور خدا سے بھی یہی درخواست کرے کہ وہ اپنی پاک اُلفت اُسے عطا کرے۔ لیکن یہ سب کچھ نہائت اطمینان اور تسکین سے بجالانا چاہئے

اور اس طرح سے خداوند کی باقی دُعا کو بھی پڑھنا چاہئیے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کسی شخص کو اس طریق کے سکھلانے میں عذر نہ ہوگا۔ آدمی کو نہ چاہئیے کہ بہت سی دُعاؤں اور ارادوں سے اپنے کو لاد رکھے بلکہ اس طریق سے جن کا میں نے اُوپر ذکر کیا ایک دفعہ خداوند کی دُعا پڑھ لینا بہت فائدہ بخشیگا ✦

پھر اُنہیں چاہئیے کہ بھیڑوں کی طرح اپنے کو اپنے چوپان کے حضور میں پیش کریں اور اُس سے اپنی ضروری خوراک طلب کریں۔ اور کہیں کہ "اے الٰہی چوپان۔ تُو اپنے کو اپنی بھیڑوں کے لیئے بطور خوراک کے دیتا ہے اور تُو ہی ان کی روزانہ خوراک ہے" ✦

پھر اُس کے سامنے اپنے قبائل کی ضروریات و حاجات کو پیش کریں۔ لیکن ان سب باتوں کی بنا اس خاص امر کے یقین پر ہونی چاہئیے کہ خدا ہمارے باطن میں موجود ہے ✦

آدمی خواہ کسی صورت یا تمثیل میں خدا کا تصور باندھیں۔ وہ تصور خدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر ہم فقط اُس کی حضوری کا تصوّر باندھیں تو وہی کافی ہوگا۔ کیونکہ مناسب نہیں کہ ہم خدا کی کوئی تصویر اپنے ذہن میں قائم کریں اگرچہ خداوند یسُوع مسیح کا اس طرح تصوّر باندھنا جائز ہے۔ خود تو اُس کا بطور بچہ کے تصور کریں۔ یا مصلیب ہونے کی حالت میں یا کسی اَور رازیا حالت میں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہمیشہ اُسے اپنے رُوح کے مرکز میں تلاش کریں ✦

پھر ہم اُسے بطور طبیب کے تصور کر سکتے ہیں۔ اور اپنے تمام زخم اُسے دکھا کر اُس سے درخواست کریں کہ وہ ہمارا علاج کرے۔

لیکن تو بھی اس تصوّر میں کسی طرح کا جدّوجہد نہ کریں۔ بلکہ وقتاً فوقتاً خاموشی اختیار کریں اس طور سے کہ عمل و خاموشی باہم مخلوط ہو جائیں۔ اس طرح درجہ بدرجہ خاموشی کو ترقّی دیتے جائیں اور گفتگو کو کم کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ آخرکار درجہ بدرجہ ہم اپنے کو خدا کے اس قدر حوالے کردیں کہ وہ ہم میں پوری حکومت و اقتدار حاصل کرے جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کرینگے۔ جب ایک دفعہ خدا کی حضوری حاصل ہو جائے اور رُوح رفتہ رفتہ اس خاموشی اور اطمینان سے حظّ اُٹھانے کی عادی ہو جائے تو الٰہی حضوری کے اس علمی احساس سے وہ دُعا کی دوسری منزل میں داخل ہو جائیگی۔ جسے خواندہ و ناخواندہ دونوں قسم کے اشخاص مذکورۂ بالا طریق پر عمل کرنے سے حاصل کرسکتے ہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں خدا محض اپنے فضل و کرم سے بعض اشخاص پر خاص لطف کی نظر فرماتا ہے ٭

چوتھی فصل

۱۔ دُعا کی دوسری منزل جس کا نام یہاں دُعائے سادہ رکھا ہے۔ اور اس امر کا بیان کہ کب اُسے اختیار کرنا مناسب ہے ٭

۲۔ اس کو کس طرح عمل میں لانا اور قائم رکھنا چاہئے ٭

۳۔ اس میں کامیابی کی شرط ٭

بعض اشخاص دُعا کے دوسرے درجہ کا نام دُعائے تفکّر رکھتے ہیں۔ یعنی ایمان اور خاموشی کی دُعا۔ اور اُسے دُعائے سادہ کہنا پسند کرتے ہیں۔ میں یہاں دوسرے نام سے اس کا ذکر کرونگی کیونکہ وہ میرے نزدیک

پہلے کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اُس سے اس دُعا کی نسبت جس کا میں یہاں ذکر کرتی ہوں زیادہ اعلےٰ درجہ کی دُعا مراد ہے۔ جب روح کچھ عرصہ تک اُس طور سے جس کا اُوپر ذکر ہُوا مشق کرتی رہتی ہے تو بتدریج اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ زیادہ آسانی سے خدا کی طرف متوجہ ہونے کی قدرت رکھتی ہے۔ اور اب وہ زیادہ آسانی سے اپنے خیالات کو مجتمع کر سکتی ہے۔ اور دُعا میں آسانی اور شیرینی اور فرحت محسوس کرتی ہے۔ اب وہ جان لیتی ہے کہ خدا کو پانے کا یہی رستہ ہے۔ لیکن اب اُسے طریق کو بدلنا ضرور ہے۔ اور وفاداری اور دلیری سے اس بات پر جس کا میں اب ذکر کرتی ہوں عمل کرنا چاہیئے۔ اور اس امر کا کچھ خیال نہ کرو کہ لوگ اس کی بابت کیا کہتے ہیں ؞

اوّل۔ جونہی رُوح جمعیّتِ خاطر کے ساتھ خدا کی حضوری میں حاضر ہوتی ہے۔ تو اُسے تھوڑے عرصہ تک ایسی ہی خاموشی کی حالت میں رہنے دو گویا کہ کسی بارعب شخص کے حضور میں حاضر ہے ؞

لیکن اگر شروع ہی سے وہ الٰہی حضوری کو کچھ کچھ محسوس کرنے لگی ہے تو اُسے بلاشک وہیں چھوڑ دو اور جو کچھ اُسے دیا گیا ہے جب تک وہ چاہے اُسے پکڑے رہنے دو اور دست درازی نہ کرو۔ اگر یہ حالت دُور ہو جائے تو بعض اُلفت کی باتوں سے اُسے پھر تحریک کرو۔ اگر پہلے اُلفت کے ذریعے وہ پھر شیریں اطمینان کو حاصل کر لے تو اُسی احتظاظ میں اُسے رہنے دو۔ ہمیں آگ کو بڑی ملائمت سے پھونکنا چاہیئے اور جب وہ روشن ہو جائے تو اَور پھونکنا نہ چاہیئے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص برابر پھونکتا جائے تو وہ اُسے اُلٹا بجھا دیگا ؞

میں سب سے بڑھ کر یہ صلاح دیتی ہوں کہ جب کبھی دُعا ختم کر چکو تو اُس کے آخر میں ضرور کچھ عرصہ تک خاموشی میں رہو۔ رُوح کے واسطے یہ بات بھی نہائت ضروری ہے کہ وہ دلیری کے ساتھ دُعا کے لئے جائے۔ پاک۔ صاف اور بے غرضانہ محبت سے دُعا کرے۔ اُسکی غرض یہ بھی نہ ہو کہ وہ خدا سے کچھ لینے جاتا ہے بلکہ زیادہ خدا کی رضا و خوشی کو مقدم رکھے۔ کیونکہ جو لوگ اپنے مالک کی خدمت محض انعام کی خاطر کرتے ہیں وہ درحقیقت کسی انعام کے لائق نہیں ہیں۔ اس لئے جب دُعا مانگنے جاؤ تو یہ نیّت مت کرو کہ ہم خدا سے خوشی حاصل کرنے جاتے ہیں بلکہ یہ کہ جیسا اُسے پسند آئے ویسا ہی ہو۔ اس سے تمہاری رُوح ہمیشہ ایک حالت پر رہیگی۔ اور قبض و بسط کی حالت میں یکساں رہیگی اور خدا کی بے اعتنائیوں یا دل کی خشکی پر کچھ تعجّب نہ ہوگا +

پانچویں فصل

بعض اُمور جو اس دُعا سے متعلق ہیں۔ مثلاً

۱- دل کی خشکی جو قلب میں خدا کی حضوری محسوس نہ کرنے سے (ذہن سے خدا کے غائب ہو جانے سے) پیدا ہوتی ہے۔ جس سے خدا کے نزدیک کوئی بہتر غرض ہوتی ہے۔ اور کس طرح اس کی برداشت کرنی چاہیئے یعنی نیک اعمال کے کرنے سے اور اپنی رُوح اور قلب کے اطمینان سے۔

۲- اس طور پر عمل کرنے کے فوائد۔

اگرچہ خدا ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ اپنے کو اُس رُوح کے ساتھ

جو اس سے محبّت رکھتی اور اس کی جستجو میں رہتی ہے (حوالہ کرے، ملحق کرے۔ لیکن وہ اکثر اپنے کو چھپا لیتا ہے۔ تاکہ اُسے سُستی سے ہشیار کرے اور اُسے مجبور کر کے اُلفت و وفا کے ساتھ اپنی تلاش میں لگائے۔ لیکن اوہ اپنے محبوب کو وہ کس قدر افراط کے ساتھ انعام و اکرام سے مالامال کرتا ہے۔ اور جب کبھی وہ اس طور سے بے اعتنائی کرتا ہے تو اس کے بعد کس کثرت سے انہیں تسکین و تشفّی عطا کرتا ہے۔ بعض یہ خیال کیا کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ تر وفاداری ظاہر ہوتی ہے۔ اور محبّت کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی وہ اوجھل ہو جائے تو اپنے دل و دماغ کی کوششوں اور ہر طرح کی جدّ و جہد سے اُسے واپس لانے کی کوشش کرے۔ یا یہ کہ اس قسم کی کوششوں سے وہ بہت جلد واپس آجائیگا۔ نہیں پیاری رُوحو۔ میری بات مانو۔ دُعا کی اس حالت میں اس قسم کا رویّہ درست نہیں۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ پُرالفت صبر۔ اور فروتنی اور عاجزی اور مستقل اور ثابت قدم محبّت اور خاموشی کے ساتھ اپنے محبوب کی بازگشت کے منتظر رہو۔ کیونکہ اس طریقِ عمل سے تم اُس پر اس امر کو ثابت کرو گے کہ تم فقط اُسی کو اور اُسی کی رضا کو چاہتے ہو۔ اور اُس کی محبت سے تمہیں اپنی ذاتی خوشی مقصود نہیں۔ اس لئے تاریکی کی گھڑیوں میں بے صبر مت ہو۔ بلکہ الٰہی تسلّی کے التوا و توقّف کی برداشت کرو۔ ہر ایک حالت میں راضی برضا رہو۔ اور اسی طور سے الٰہی زندگی ترقی و تازگی حاصل کریگی۔[1]

[1] واعظ ۲: ۱ و ۲ و ۳۔ میرے فرزند اگر تو خداوند کی عبادت کے لئے آئے تو اپنی رُوح کو آزمائش کے لئے تیار کر۔ اپنے دل کو درست کر اور ہمیشہ برداشت کر اور مصیبت و آفت کے زمانہ میں جلدی مت کر۔ اسی سے پٹتارہ اور درست ہٹ تاکہ تو انجام میں افراط حاصل کرے۔

چاہیئے کہ دُعا میں ہر وقت صابر رہو۔ اور اگر زندگی بھر تمہیں اَور کوئی دُعا نصیب نہ ہو سوائے اس کے کہ تم عمر بھر فروتنی اور توکل اور تسلیم کے ساتھ اپنے محبوب کی بازگشت کے منتظر بیٹھے رہو۔ تو یہ حالت بھی نہایت اعلےٰ قسم کی دُعا کے برابر ہوگی۔ اس عرصہ میں فقط یہی کافی ہوگا کہ تم اپنی اُلفت اور محبّت کا مناسب الفاظ میں اظہار کرتے رہو۔ یہ طریق عمل خدائے تعالےٰ کو بہت پسند ہے اور اَور کسی طریق کی نسبت اُس کے نزدیک زیادہ تر پایۂ قبولیت کو پہنچتا ہے۔

چھٹی فصل

۱و۲۔ ایمان کا اپنے تئیں خدا کو تسلیم کردینا۔ اسکی بار آوری اور غیر منسوخی۔

۳۔ یہ کس امر میں ہے۔ اور خدا ہمیں کس طور پر اسکی تعلیم دیتا ہے۔

۴۔ اس کا عمل میں لانا۔

اس درجہ پر پہنچ کر توکّل بر خدا اور تسلیم کامل شروع ہونی چاہیئے۔ یعنی یہ یقین کرکے کہ ہماری زندگی کے ہر لمحہ میں جو کچھ ہم پر واقع ہوتا ہے یا جس چیز کے ہم حاجتمند ہیں سب حکم و رضائے الٰہی کے موافق ہے۔ جب یہ یقین ہمارے دل میں جم جائیگا تو ہم ہر امر میں قانع رہینگے۔ اور ہر ایک چیز جو ہم پر واقع ہوگی اُسے منجانب اللہ سمجھینگے اور کسی مخلوق کی طرف اس کی نسبت نہ کرینگے۔ اے میرے پیارے بھائیو۔ تم جو سچے دل سے اپنے کو خدا کو سونپنا چاہتے ہو۔ میں تمہاری منّت کرکے کہتی ہوں کہ جب تم ایک دفعہ اپنے کو اُس کے حوالے کر چُکے

تو پھر واپس مت لو۔ بلکہ یقین جانو کہ جس چیز کو تم ایک دفعہ دے چکے اب اس پر تمہارا اختیار نہیں ✻

یہ تسلیم و حوالگی مسیحی طریق میں اَور سب کی نسبت زیادہ اہم بات ہے۔ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کل باطنی زندگی کی کلید ہے۔ جو کامل طور سے اپنے کو اُس کے حوالے کر دیتا ہے وہ تھوڑے عرصہ میں مسیح سے کامل وصل و اتحاد حاصل کر لیگا۔ اس لئے ہمیں پختہ طور پر اسی بات پر جمے رہنا چاہیئے اَور کسی بات کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ جس قدر ایمان زیادہ کامل ہوگا اُسی قدر یہ حوالگی بھی کامل ہوگی۔ اور ہمیں چاہیئے کہ اُمید کے خلاف بھی اُمید رکھکر خدا کو سونپ دینا چاہیئے ✻

حوالگی کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنی فکر کرنا چھوڑ دیں اور اپنی ہر ایک بات کو بالکل خدا کی مرضی و انتظام پر چھوڑ دیں۔ سب مسیحیوں کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ اس طور پر اپنے کو حوالہ کر دیں۔ کیونکہ یہ الفاظ سب کو کہے گئے ہیں۔ "کل کی فکر نہ کرو کیونکہ تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تمہیں کس چیز کی حاجت ہے"۔ (متی ۶: ۳۱ تا ۳۳)۔ "اپنی سب راہوں میں اس کا اقرار کرو اور وہ تمہاری راہ کی ہدائت کریگا"۔ (امثال ۳: ۶) "اپنے اعمال کو خداوند کے سپرد کرو اور وہ تمہارے خیالوں کو قائم کریگا"۔ (امثال ۱۶: ۳)۔ اور پھر یہ لکھا ہے کہ "اپنی ساری راہ خداوند کے حوالے کرو۔ اُسی پر بھروسہ کرو۔ اور وہ اُسے ہونے دیگا"۔ (زبور ۳۷: ۵) ✻

اس لئے ہماری حوالگی یہ ہے کہ ہم بالکل اپنے کو خدا کے ہاتھوں میں سونپ دیں۔ بیرونی اُمور میں بھی اور اندرونی اُمور میں بھی۔ اور جس قدر ہو سکے اپنے کو بھول جائیں اور فقط اُسی کا خیال رکھیں۔ اس طریق پر

کاربند ہونے سے دل ہمیشہ آزاد - فارغ اور فاتح رہتا ہے ۔

اس کی مشق اس طور پر کرنی چاہیئے کہ ہمیشہ اپنی مرضی کو ترک و زائل کرکے اُسے رضائے الٰہی میں غرق کرتے جائیں - اپنے میلانِ طبع کو خواہ وہ کیسا ہی بھلا کیوں نہ ہو جونہی ہمارے دل میں پیدا ہو اُسے ترک کردیں تاکہ ہم ہمیشہ بے پروائی اور لاغرضی کی حالت میں رہیں - اور صرف اسی بات کی جو خدا کی ابدی رضا و تقدیر ہے خواہش کریں - اور اور سب باتوں سے خواہ وہ جسم سے تعلق رکھتی ہوں یا رُوح سے - دُنیاوی دولت ہو یا ابدی - بے پروا رہیں - ماضی کو بھول جائیں - زمانۂ حال کو خدا کے حوالے کردیں اور مستقبل کو اُس کی تقدیر و انتظام پر چھوڑ دیں - فقط موجودہ لمحہ پر قانع رہیں - اور یہ یقین رکھیں کہ جو کچھ ہر لمحہ میں ہم پر عائد ہوتا ہے وہ خدا کے ازلی انتظام کے مطابق ہے - اور اُس کے حکم و رضا کو ہم پر ظاہر کرتا ہے جس میں کسی شک و شُبہہ کی گنجائش نہیں - جو کچھ ہم پر واقع ہو اُسے مخلوق کی طرف منسوب نہ کریں بلکہ ہر ایک چیز کو خدا کی طرف سے سمجھیں اور یہ یقین جانیں کہ یہ سب اُسی کے ہاتھ سے ہمیں پہنچتا ہے - فقط گناہ کو مستثنےٰ کرکے ۔

اس لئے اپنے کو بالکل خدا کے حوالے کرو کہ جس طرح اُسکی مرضی ہو وہ ہماری رہنمائی کرے خواہ باطنی امور کے متعلق ہو خواہ ظاہری امور کے متعلق ۔

ساتویں فصل

۱- دُکھ کی بابت- اور خدا کے ہاتھ سے اُسے کس طرح قبول کرنا چاہیئے-

۲- اُس کا پھل اور اُس کے فوائد-

۳- اُس کا استعمال-

جو کچُھ خدا تم پر بھیجنا مناسب سمجھے اُسے بڑے صبر سے برداشت کرو- اگر تمہاری محبت خالص ہے تو تم اُسے اس زندگی میں کوہ کلوری پر ایسا ہی تلاش کروگے جیسا کوہ تبور پر ؁

تمہیں کوہ کلوری پر اس سے ایسی ہی محبت کرنی چاہیئے جیسے کوہ تبور پر- کیونکہ وہی مقام ہے جہاں اس نے اپنی محبت زیادہ تر ظاہر کی ؁

اُن لوگوں کی مانند مت بنو جو ایک وقت اپنے کو اُسکے حوالے کردیتے ہیں مگر دوسرے وقت اپنے کو واپس لے لیتے ہیں- وہ پیار اور چومنے چاٹنے کے لئے تو اپنے کو حوالہ کر دیتے ہیں- مگر جب وہ صلیب پر کھینچے جاتے ہیں تو اپنے کو واپس لے لیتے ہیں- یا یوں کہو کہ اُس وقت مخلوق میں تسلی ڈھونڈتے ہیں ؁

نہیں- پیاری رُوحو! تمہیں سچّی تسلّی سوائے صلیب کی محبت اور کامل تسلیم کے اَور کہیں نہیں ملیگی- جسے صلیب میں کچُھ مزا نہیں آتا وہ خدا کی چیزوں سے کچُھ لطف نہیں حاصل کرسکتا- (متی ۱۶: ۲۳)-

خدا کی محبّت سوائے صلیب کی محبت کے ناممکن ہے- اور درحقیقت

وہی دل جسے صلیب کی محبّت ہے تلخ سے تلخ چیزوں کو شیریں خوشگوار اور دل پسند پاتا ہے۔ بھوکی جان کو تلخ چیزیں بھی میٹھی معلوم دیتی ہیں۔ کیونکہ جیسے وہ خدا کا بھوکا ہے ویسے ہی صلیب کا بھوکا بھی ہے۔ خدا ہمیں صلیب دیتا ہے اور صلیب ہمیں خدا کو دیدیتی ہے۔ (امثال ۲۷:۷)

رُوحانی ترقّی کی بڑی علامت یہی ہے کہ انسان کے صلیب میں کس قدر ترقّی کی ہے۔ حوالگی اور صلیب میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

جب کبھی کوئی ایسا امر پیش آئے جس سے تمہیں کراہیّت ہو تو اس امر کے لئے فی الفور اپنے کو خدا کے حوالے کرو۔ اور اپنے کو بطور قربانی کے اُس کے سامنے نذر کردو۔ تب تم دیکھ لوگے کہ جب صلیب آئیگی تو وہ ایسی بہت بھاری معلوم نہ ہوگی کیونکہ تم خوشی سے اُسے قبول کروگے۔ اگرچہ پھر بھی تم اس کے بوجھ کو ضرور محسوس کروگے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ صلیب کا مزا لینے سے دُکھ کی تکلیف سے خلاصی ہوجاتی ہے مگر تکلیف محسوس کرنا خود تکلیف کا بڑا حصّہ ہے۔ کیونکہ جب کسی دُکھ سے تکلیف محسوس نہ ہو تو پھر دُکھ دُکھ نہیں رہتا۔ یسُوع مسیح نے دُکھ کی از حد تکلیف کو محسوس کرنا پسند کیا۔ ہم اکثر کمزوری کی حالت میں صلیب کو اُٹھاتے ہیں بعض اوقات مضبوطی کی حالت میں۔ مگر خدا کی رضا میں یہ سب باتیں ہمیں یکساں معلوم ہونی چاہئیں۔

آٹھویں فصل

۱۔ اسرار۔ جن کا ذاتی تجربہ ہم خدا سے حاصل کرتے ہیں۔

۲و۳۔ اگر خدا ہمیں اُن کی طرف کھینچے یا اُن سے ہٹائے ہمیں ہر حالت کو

محبّت کے ساتھ منظور کرنا چاہئے ؎

شائد کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس طور سے انسان کو اُن اسرار کا کچھ احساس ہوگا جو اُس پروار د ہونگے۔ مگر یہ امرِ دیگر ہے کیونکہ یہ اسرار فی الحقیقت رُوح کو عطا کئے جاتے ہیں۔ یسوؔع مسیح جسے ہم اپنے کو حوالے کرتے ہیں اور جسے ہم راہ سمجھ کر پیروی کرتے ہیں اور جسے حق سمجھکر سماعت کرتے ہیں اور جو زندگی ہو کر ہمیں زندگی بخشتا ہے۔ خود ہماری رُوح پر وارد ہو کر ان مختلف حالتوں میں اُسے سنبھالتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ یسوؔع مسیح کی حالتوں کو اپنی زندگی میں تجربہ کرنا محض اُس کی حالتوں پر غور کرنے سے بہت بڑھ کر ہے۔ مقدّس پولوس اپنے جسم میں یسوؔع مسیح کی حالتوں کو لئے پھرتا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ" میں اپنے جسم میں یسوؔع مسیح کے نشان لئے پھرتا ہوں"(گلتیوں ۶: ۱۷)۔ مگر وہ یہ نہیں کہتا کہ وہ اُن کی نسبت غور و فکر کیا کرتا تھا ؎

اس حالتِ تسلیم میں یسوؔع مسیح اکثر ہمیں اپنی حالتوں کو ایک خاص طور سے ملاحظہ کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں مناسب ہے کہ اُنہیں قبول کریں اور اپنے دلوں کو اُس امر میں جس میں لگانا اُسے خوش آتا ہے مشغول کرنے دیں۔ اور جس جس حالت میں وہ ہمیں رکھنا پسند کرے اُسے یکساں خوشی و خرّمی کے ساتھ قبول کریں اور اپنی مرضی یا پسند کو اُس میں دخل نہ دیں۔ مگر صرف یہ خواہش رکھیں کہ ہمیشہ اُسی کی صحبت میں رہیں۔ بڑی الفت کے ساتھ اُسی کے طالب ہوں۔ اور اُس کے حضور میں اپنے کو اپنے سے خالی کردیں۔ جو کچھ وہ ہمیں عطا کرے اُسے یکساں طبیعت سے قبول کرلیں خواہ یہ روشنی ہو یا تاریکی

ثمر وری ہو یا بے ثمری۔ قوّت ہو یا کمزوری۔ شیرینی ہو یا تلخی۔ آزمائش۔ پریشانی۔ دُکھ۔ تکلیف۔ شکوک۔ غرضیکہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیں کسی چیز سے پہلوتہی نہ کرنی چاہیئے ؛

بعض اشخاص ہیں جنہیں خدا سالہا سال تک ان اسرار میں سے کسی خاص سّر کا تجربہ کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے۔ فقط اس سر کا نظّارہ یا خیال اُنہیں باطن کی طرف منتقل کردیتا ہے۔ اس لئے اُنہیں لازم ہے کہ اس امر میں وفادار رہیں۔ لیکن جب خدا اُسے علیٰحدہ کردے تو وہ اس سے محروم رہنے کے لئے بھی تیّار رہیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اس بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ وہ کسی ایک سّر کا بھی خیال نہیں کرسکتے۔ مگر اُن کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ محبّت سے خدا کو یاد رکھنے میں تمام خاص خاص رُوحانی تجربات سب داخل ہیں۔ اور جو شخص خدا میں سکونت کرنے کے ذریعے محض خدا سے متحد ہو چکا ہے وہ ان تمام اسرار سے بھی حصّہ لیتا ہے۔ کیونکہ جو خدا سے محبّت رکھتا ہے وہ ہر ایک چیز سے جو خدا کی ہے محبّت رکھتا ہے۔ (یوحنّا ۱۵: ۴) ؛

نویں فصل

۱ و ۲۔ خصائلِ حسنہ کے بارے میں۔ تمام قسم کی خوبیاں خدا کے حصول کے ساتھ ساتھ چلی آتی ہیں۔ اور جس قدر دُعا کو دل میں جگہ ہو اُسی قدر بڑھتی ہیں۔

۳۔ اور یہ بات آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

خصائلِ حسنہ کے حصول کا یہی مختصر اور یقینی طریق ہے۔ کیونکہ خدا ساری

خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور جب وہ حاصل ہو جائے تو تمام خوبیاں بھی ساتھ ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور جس قدر ہم اس کے حصول کے قریب قریب پہنچتے ہیں اُسی قدر خصائلِ حسنہ اعلےٰ طور پر حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ میں مکرر کہتی ہوں کہ جو خوبی باطن سے حاصل نہیں ہوتی وہ محض نقاب کے طور پر ہے۔ یا یوں کہو کہ بطور لباس کے ہے جسے جب چاہا پہن لیا جب چاہا اُتار پھینکا۔ مگر جو خوبی باطن سے حاصل ہوتی ہے وہی حقیقی ضروری اور ثابت رہنے والی ہے۔ بادشاہ کی بیٹی کا حُسن باطن سے ہے۔ (زبور ۴۵ : ۱۳)۔ اور کوئی آدمی اس قسم کے اشخاص سے بڑھ کر خوبیوں کو اپنی زندگی میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ حالانکہ وہ خاص طور پر کبھی ان کا خیال دل میں نہیں لاتے۔ کیونکہ خدا جس سے وہ ہمیشہ متحد رہتے ہیں ان سے ہر قسم کے عمدہ عمدہ کام کرواتا ہے۔ ہاں۔ ان خدا رسیدہ اشخاص کے دل میں دُکھ تکلیف برداشت کرنے کی کس قدر آرزو بھری رہتی ہے۔ اگر وہ اپنی دلی خواہش پر عمل کرتے تو کون سی ریاضتیں اور مجاہدے ہیں جن کو عمل میں لانے کے لئے وہ تیار نہ ہوتے۔ اُنہیں ہر دم فقط یہی خیال رہتا ہے۔ کہ کس طرح اپنے معشوق کو خوش کریں۔ اور اس لئے وہ اپنے آپ کو فراموش کرنے اور حقیر جاننے لگ جاتے ہیں۔ جس قدر زیادہ وہ اپنے خدا سے محبّت کرتے ہیں اُسی قدر وہ اپنے کو حقیر جانتے اور مخلوق کی طرف سے بے مزہ ہوتے ہیں۔ کاش کہ لوگ اس آسان ترین طریق کو سیکھ لیں جو کسی کی طاقت سے باہر نہیں۔ خواہ وہ جاہل ہو یا عالم۔ دیکھیے آسانی سے ساری کلیسیا کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے فقط محبّت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مقدس آگسٹن فرماتے ہیں۔ "محبت پر کاربند ہو اور پھر جو

چاہو کرو"! کیونکہ جب ہم سچے دل سے محبت کرتے ہیں تو ہم سے کبھی ایسا کام سرزد نہیں ہو سکتا جس سے محبوب ناراض ہو ۔

دسویں فصل

۱۔ نفس کشی ۔ اس کو بیرونی طور سے کبھی کامل طور پر حاصل نہیں کر سکتے۔
۲۔ مگر باطن میں خدا کی طرف متوجہ ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔
۳۔ اور اسی لئے بیرونی باتوں کی حتےّ الامکان ضرورت نہیں رہتی۔
۴۔ سچی دلی تبدیلی کن باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔

علاوہ بریں یہ بھی یاد رکھیں کہ الٰہی محبت کے سوا اور کوئی طریق نہیں جس سے کامل نفس کشی حاصل ہونی ممکن ہو۔ اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ حواس کی زندگی اور طاقت نفس یا رُوح سے ہے ۔ اور حواس جذبات کو تحریک کرتے یا اُبھارتے ہیں ۔ مُردہ آدمی میں حس یا جذبہ باقی نہیں رہتا ۔ کیونکہ اس کی رُوح اور حواس میں جُدائی ہو گئی ہے ۔ جو افعال ظاہراً نظر آتے ہیں وہ سب رُوح کو بیرونی باتوں کی طرف لے جاتے ہیں ۔ خاص کر ایسے افعال جن پر زیادہ توجہّ خرچ کی جائے ۔ ان باتوں کے ذریعے رُوح اپنے قوےٰ کو پریشان کر دیتا ہے ۔ اور جس قدر زیادہ سختی اور زور سے بیرونی امور میں مشغول ہوتا ہے ۔ اُسی قدر ان باتوں میں اپنے کو غرق کر دیتا ہے اور اس طور سے بجائے حواس کو کمزور و کُشتہ کرنے کے اُنہیں اُلٹا اور بھی زیادہ زور بخشتا ہے ۔ کیونکہ حواس کو ساری قوت اور طاقت رُوح ہی سے حاصل ہوتی ہے اور جس قدر

رُوح زیادہ زیادہ ان میں مشغول ہوتی ہے اُسی قدر وہ زیادہ مضبوط اور سرسبز ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ حسّی زندگی بجائے اُنہیں کُشتہ کرنے کے اُلٹا نفسانی جذبات کو اُکساتی ہے۔

مجاہدات و ریاضات سے جسم تو ضرور کمزور ہو جاتا ہے مگر اس سے حواس کی تیزی اور قوت کم نہیں ہوتی جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں فقط ایک بات ہے جس سے ہم یہ اُمید کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رُوح جمعیّت خاطر کے ذریعہ سے اپنے باطن کی طرف متوجہ ہو تاکہ بالکل اپنے خدا میں مشغول ہو جائے جو باطن میں سکونت پذیر ہے۔ اگر رُوح اپنی تمام قوت و طاقت کو باطن کی طرف متوجہ کر دے تو وہ اس فعل کے ذریعے اپنے حواس سے جدا ہو جاتی ہے۔ اور اسی طور سے اپنی تمام طاقت کو باطن کی طرف لگانے سے حواس میں کچھ طاقت باقی نہیں رہتی۔ اور جس قدر وہ اس بات میں ترقی کرتی اور خدا کے قریب تر ہو جاتی ہے اُسی قدر وہ اپنے آپ سے جُدا ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اشخاص جن میں خدا کے فضل و توفیق کی کشش زیادہ ہے وہ بیرونی انسان میں بالکل کمزور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات وہ غش کھا جاتے اور بیہوش ہو جاتے ہیں۔

اس سے میری مراد یہ نہیں کہ ہمیں بالکل نفس کُشی کی مشق نہیں کرنی چاہیے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ نفس کُشی دُعا کے ہمراہ عمل میں آنی چاہیے جہاں تک کہ ہر ایک آدمی کی طاقت یا قدرت میں ہو۔ یا جہاں تک اطاعتِ مُرشد کے ساتھ اس کا تعلق ہو۔ مگر میرا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نہ چاہیئے کہ نفس کُشی کو اپنا مُدّعا مقرر کر لے۔ اور نہ ایسے مجاہدات کے ساتھ اپنے کو باندھ چھوڑے

بلکہ باطنی کشش کی پیروی کرنے اور الٰہی حقوق کی مشق کرنے سے اور خاص طور پر نفس کُشی کا خیال کرنے کے بغیر خدا ہم کو ہر طرح کے مجاہدے میں سے گزرنے دیتا ہے اور وہ اُن ارواح کو جو سچّے دل سے اپنے کو اُس کے حوالے کرتے ہیں دم لینے نہیں دیتا جب تک اُن میں نفس کُشی کے کام کو پورے طور پر سرانجام نہ کردے ؛

اس لئے ہم کو ہر وقت صرف خدا کی طرف متوجّہ رہنا چاہیئے۔ اور اس سے ہمیں خود بخود ہر طرح کی کمالیت حاصل ہوتی جائیگی۔ تمام اشخاص جسمانی مشاہدات کی طاقت نہیں رکھتے۔ لیکن ہر ایک شخص اس طریق پر جو میں نے بیان کیا ہے عمل کرسکتا ہے۔ ہمارے حواس میں خاصکر دو ایسی چیزیں ہیں جن کے کُشتہ کرنے میں جس قدر کوشش کریں تھوڑی ہے۔ یعنی سُننا اور دیکھنا (کیونکہ تمام اشیا کے تقرّرات اور خیالات اُنہیں کے ذریعے ذہن میں جاگزین ہوتے ہیں) لیکن خدا ان کو کامل طور پر کُشتہ کرتا ہے۔ اور اس لئے ہمیں فقط یہی مناسب ہے کہ اُسکی رُوح کی رہنمائی پر چلیں ؛

اس وطیرہ کے اختیار کرنے میں رُوح کو دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جس قدر وہ بیرونی اشیا سے اپنے کو ہٹاتی ہے اُسی قدر وہ خدا سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ اور دوم خدا کے قریب تر ہونے سے علاوہ اس پوشیدہ قوّت اور تاثیر کے جو اُسے طاقت بخشتی اور محفوظ رکھتی ہے وہ گناہ سے اُسی قدر دُور ہوتی جاتی ہے۔ جس قدر وہ خدا کے قریب ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آخرکار تبدیلی اُس کی طبعی عادت ہوجاتی ہے ؛

گیارھویں فصل

۱- سچی تبدیلی جو اس قسم کی دُعا کا نتیجہ ہے اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔
۲ و ۳- وہ باتیں جو سچی تبدیلی میں مدد دیتی ہیں۔ خدا کا رُوح کو کھینچنا۔ اللہ
رُوح کا طبعی میلان اپنے مرکز کی طرف۔
۴- اُس کا استعمال +

پھر وا اور تہِ دل سے خدا کے حضور بدل جاؤ۔ جیسے کہ تم نے اُس سے گہری رُو گردانی کی تھی (یسعیاہ ۳۱ : ۶ لاطینی ترجمہ)۔ تبدیلی سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ مخلوق کی طرف سے مُنہ موڑ کر خالق کی طرف متوجہ ہونا۔ تبدیلی ہرگز کامل نہیں ہوتی۔ اگرچہ نجات کے لئے کافی اور ضروری کیوں نہ ہو۔ جبکہ انسان فقط گناہ سے فضل کی طرف پھرتا ہے۔ بلکہ تکمیل کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ بیرونی حالت سے اندرونی حالت کی طرف متوجہ ہو +

جب رُوح ایک دفعہ بدل جاتی یا یوں کہو کہ خدا کی طرف پھر جاتی ہے تو اُسے اُس حالت میں رہنے سے بہت کچھ چین حاصل ہوتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ اس حالت میں رہتی ہے اُسی قدر وہ خدا سے زیادہ قریب ہوتی جاتی ہے۔ اور اُسی قدر لازمی طور پر مخلوق سے دُور ہوتی جاتی ہے۔ جو خدا کا مخالف ہے۔ اور اس سے وہ اس تبدیلی میں ایسا قائم اور مستقل ہوتا جاتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ عادت طبیعتِ ثانی کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن یہ جان رکھو

کہ بہ حالت مخلوق کی سخت ریاضت یا مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ جو ریاضت اس کے لئے ممکن ہے وہ یہی ہے کہ خدا سے توفیق حاصل کرکے وہ بڑی جدوجہد کے ساتھ باطن کی طرف متوجہ ہو اور ساری توجہ اسی پر لگا دے۔ اس کے بعد اَور کچھ کرنا باقی نہیں۔ مگر فقط یہی کہ متواتر لگاؤ کے ساتھ اسی کی طرف متوجہ رہے۔

خدا میں ایسی دلکش خوبی ہے جو رُوح کو زیادہ زیادہ قوت کے ساتھ اُس کی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ اور اسی طور پر کھینچتی ہوئی اُسے پاک صاف بھی کرتی جاتی ہے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ سُورج کثیف بخارات کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہ اُنہیں رفتہ رفتہ کھینچتا ہے۔ اور بخارات کوئی اَور کوشش یا جدوجہد نہیں کرتے بلکہ صرف یہی کہ وہ اپنے کو کھنچا جانے دیتے ہیں۔ اور وہ جس قدر سُورج کے قریب ہوتے جاتے ہیں اُسی قدر صاف و شفاف ہوتے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بخارات اپنی مرضی اور ارادہ سے کھنچے نہیں جاتے۔ مگر رُوح اپنی خواہش و مرضی سے اپنے کو الٰہی کشش کے حوالہ کردیتی ہے۔

یہ توجہ باطنی کا طریق نہایت آسان ہے اور رُوح کو کسی طرح کے جبر سے نہیں بلکہ اُس طبعی میلان سے جو رُوح خدا کی طرف رکھتی ہے اس لئے کہ وہ اس کا مرکز ہے۔ اُسے کھینچتا ہے۔ مرکز میں ہمیشہ ایک دلکش قوت ہوتی ہے۔ اور جس قدر یہ مرکز زیادہ عالی اور رُوحانی ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی مقناطیسی کشش بھی زیادہ سخت اور پُرزور ہوتی ہے۔ اور اسی قدر اُس کشش کا روکنا مشکل ہوگا۔

مگر مرکزی کشش کے علاوہ جملہ مخلوقات میں ایک قسم کا سخت

میلان رکھا گیا ہے جس سے وہ مرکز سے متحد و متصل ہونے کے لئے کھنچے جاتے ہیں۔ اس لئے جو جو رُوحیں زیادہ کامل اور رُوحانی ہوتی ہیں اُسی قدر اُن میں یہ میلان و رغبت زیادہ پائی جاتی ہے۔ جونہی کوئی چیز اپنے مرکز کی طرف پھرتی ہے وہ بڑے زور اور تیزی کے ساتھ اُسکی طرف دوڑتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی سخت رُکاوٹ راستے میں حائل نہ ہوجائے جب پتّھر زمین کی طرف پھینکا جاتا ہے تو وہ محض اپنے وزن سے اپنے مرکز کی طرف جا گرتا ہے۔ پانی اور آگ کا بھی یہی حال ہے۔ اگر روک ٹوک نہ ہو تو ہمیشہ اپنے مرکز کی طرف جاتے ہیں اور رُوح کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہ ایک بڑی جدّ و جہد کے ساتھ اپنے کو جمع کرکے باطن کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اُس کا میلان مرکز کی طرف ہوتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ بلا کسی اَور کوشش کے محض اپنی محبت کے بوجھ سے مرکز میں جا گرتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ اطمینان و سکون کو حاصل کرتا ہے اور کسی قسم کی حرکت سے پرہیز کرتا ہے اُسی قدر زیادہ تیزی سے وہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اس طور سے وہ مرکز کی کوشش و خوبی کو زیادہ موقع دیتا ہے کہ اُسے زیادہ قوّت سے اپنی طرف کھینچ لے ؂

اس لئے ہمیں فقط یہ عادت اختیار کرنی چاہئے کہ جس قدر ممکن ہو اپنے آپ کو مجتمع کرکے باطن کی طرف متوجہ کردیں۔ اور اس عمل و ریاضت میں جس قدر تکالیف یا مشکلات کا سامنا ہو اُن کی کچھ پروا نہ کریں۔ کیونکہ اس کا معاوضہ بہت جلد مل جائیگا جبکہ خدا عجیب طور سے اس محنت میں ہمارا ہاتھ بٹائیگا۔ اور سب کچھ آسان ہوجائیگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ جب کبھی ہمارے دل دُنیاوی تفکّرات و کثرتِ اشغال کے سبب اس طرف سے ہٹنے لگیں

توہم بڑی وفاداری سے نہایت نرمی اور ملائمت کے ساتھ پُرسکون عزلت اور اُلفت و اطمینان کی رسّیوں کے ذریعے اُن کو پھر کھینچ کر لے آئیں۔ جب کبھی نفسانی خواہشوں اور جذبات کا زور شور ہو تو تھوڑی دیر کے لئے خدا کے ساتھ باطن میں خلوت نشین ہو جانا جہاں وہ ہمیشہ حاضر رہتا ہے بڑی آسانی سے اس طوفان کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اور کسی طرح سے اُن کا مقابلہ کرنا بجائے اُنہیں تھما دینے کے اور زیادہ اُن کی آگ کو برافروختہ کرنا ہے۔

بارھویں فصل

۱۔ دُعا کی ایک اعلیٰ منزل جسے دُعائے حضوری کہنا چاہئے۔ مگر اُس کا ذکر یہاں نہیں ہوگا۔

۲ و ۳ و ۴۔ اس عمل میں جو کامل۔ کافی۔ آسان اور طبعی ہے ہماری اپنی حرکت اور محنت غائب ہو جاتی ہیں۔ مگر اس کو جیسا مخالفوں کا خیال ہے عدمِ حرکت یا سلبِ افعال نہیں کہنا چاہئے۔

۵۔ باطنی (طبعی) دُعا جس سے رُوح کے قوائے زائل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ دوسری طاقتوں کی مانند خدا اپنی رُوح اس میں پھونک دیتا ہے۔

۶۔ الٰہی طریقوں کی سہولیت۔ اور اس امر کی ترغیب کہ ہم اپنے کو بالکل اُس کے حوالہ کر دیں۔

جو رُوح اس طریق پر جس کا ہم نے اُوپر ذکر کیا الٰہی اُلفت و محبّت کے ساتھ وفاداری سے چلتی ہے وہ یہ محسوس کر کے نہایت متعجّب

ہوگی کہ کسطرح نہایت آہستہ آہستہ اور بے معلوم طور سے وہ (خدا) اُس پر پُورا قابو حاصل کرلیتا ہے۔ اُس کی حضوری اب رُوح کے لئے ایسی آسان ہوجاتی ہے کہ وہ آئندہ اُس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ دُعا کے ساتھ وہ اس کا بھی عادی ہوگیا ہے۔ رُوح رفتہ رفتہ اطمینان اور سکونِ خاطر سے مغلوب ہوجاتی ہے۔ اب اُس کی دُعا محض خاموشی ہوتی ہے۔ اور خدا اس کے اندر ایک ایسی محبت داخل کردیتا ہے جو ایک ناقابلِ بیان خوشی و خرّمی کی ابتدا سمجھنی چاہیئے۔ کاش کہ میں ان غیر محدود مدارج کا جو اس کے بعد حاصل ہوتے ہیں کھول کھول کر بیان کرسکون مگر اس سے بڑھکر زبان کھولنی مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ رسالہ فقط مبتدیوں کے لئے ہے۔ اور اگر خدا کی مرضی ہوئی تو پھر کبھی باقی رُوحانی مدارج کا بھی بیان ہوگا۔

اس وقت صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ اُس وقت یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی تمام کوششوں یا حرکتوں سے دست بردار ہوجائیں تاکہ خدا اکیلا ہم میں کام کرسکے۔ "تھم جاؤ اور جانو کہ میں خدا ہوں" (زبور ۴۶: ۱۰)۔ داؤد کو خدا نے یہ نصیحت دی تھی۔ مگر انسان اپنے افعال و حرکات پر اس قدر شیفتہ ہے کہ جب تک وہ اپنے اعمال کو محسوس یقین اور امتیاز نہیں کرسکتا وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کررہا۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ خود اُس کی حرکات کی تیزی اُسے اپنی رفتار کو محسوس کرنے سے روکتی ہے۔ اور خدا کی حرکات کی افراط بندے کی حرکات کو نگل جاتی ہے۔ جیسے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سُورج نکلتا ہے تو ستاروں کی روشنی اُس کی روشنی میں گم ہوجاتی ہے۔ جو اُس سے

پہلے صاف صاف نظر آتے تھے ۔ اس وقت ہم روشنی کی کمی کے سبب سے نہیں بلکہ اُس کی افراط کے سبب ستاروں کو بالکل نہیں دیکھ سکتے ؛
یہی مثال یہاں بھی صادق آتی ہے ۔ انسان اپنی حرکات کو نہیں محسوس کر سکتا کیونکہ زیادہ تیز اور قوی روشنی نے تمام چھوٹی چھوٹی روشنیوں کو اپنے میں جذب کر لیا ہے اور اس کے اعلےٰ جلال و شان و شوکت میں وہ سب غائب ہوگئی ہیں ۔ اس لئے وہ لوگ جو اس دُعا کا نام سُستی یا عدم حرکت رکھتے ہیں سخت غلطی میں پڑے ہیں ۔ اور چونکہ وہ اس کا تجربہ نہیں رکھتے اس لئے اس کی ماہیت سے جاہل ہیں ۔ کاش کہ وہ تھوڑی سی تکلیف اُٹھا کر اس کا تجربہ کرتے تو وہ تھوڑے ہی عرصہ میں عملی طور پر اس کو معلوم کر لیتے ؛

اس لئے یاد رکھو کہ یہ انسانی فعل و حرکت کی کمی نقص کے سبب سے نہیں بلکہ افراط کے سبب سے ہوتی ہے ۔ جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوگا ۔ تم جان لوگے کہ یہ بے ثمر خاموشی نہیں جو کسی نقص سے پیدا ہوتی ہے ۔ بلکہ الٰہی فضل و توفیق کی افراط سے پیدا ہوتی ہے ؛

دو قسم کے لوگ خاموش ہوتے ہیں ۔ اوّل وہ جن کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو ۔ دوسرے وہ جن کے پاس کہنے کو بہت کچھ ہو ۔ دُعا کے درجہ میں یہی حال ہے ۔ وہ کمی کے سبب سے نہیں ۔ بہتات اور افراط کے سبب خاموش رہتے ہیں ؛

پانی دو مختلف طور سے دو آدمیوں کی موت کا باعث ہوتا ہے ۔ ایک تو پیاس سے مرتا ہے دوسرا ڈوب کر ۔ ایک محتاجی کے سبب ۔ دوسرا اُس کی افراط کے سبب ۔ یہاں بھی یہی حال ہے ۔ یہ بہتات ہے

جو تمام فعل و حرکت کو بند کر دیتی ہے۔ اس لئے اس حالت میں یہ نہایت ضروری ہے کہ آدمی جہاں تک ہوسکے ساکن و خاموش رہے ؂

ایک دودھ پیتے بچّے سے بھی جب وہ دایہ کی گود میں ہو ہم ایک سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ پہلے دودھ پینے کے لئے اپنے ہونٹ ہلاتا ہے لیکن جب دودھ افراط سے اُترنے لگتا ہے تو وہ ظاہراً کچھ حرکت کرتا معلوم نہیں ہوتا بلکہ چپ چاپ اُسے نگلتا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ حرکت کرے تو وہ اپنا نقصان کریگا۔ اور سوائے دودھ گرانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اسی طرح دُعا کے آغاز میں ہمیں پہلے پہل اپنی محبت کے ہونٹ ہلانے چاہئیں۔ لیکن جب فضلِ الٰہی کا دودھ بہنے لگے تو ہمارے لئے اَور کچھ کرنا باقی نہیں مگر یہی کہ بڑے آرام و امن کے ساتھ ٹھیرے ہوئے جو کچھ ہمیں ملتا جائے نگلتے جائیں۔ اور جب دودھ آنا بند ہو جائے تو پھر محبت کو ذرا تحریک دے دیں۔ جیسے کہ بچّہ کرتا ہے۔ اگر ہم اس کے سوائے کچھ اَور کرینگے تو ہم اس فضل سے کچھ فائدہ نہ اُٹھائینگے۔ جو اس لئے عطا کی جاتی ہے کہ رُوح کو کھینچکر محبّت کے سکون میں لے جائے۔ نہ اس لئے کہ اُسے کثرتِ حرکات کی طرف اُکسائے ؂

مگر اس بچّہ کا جو اس طور سے چپ چاپ اور امن و اطمینان سے دودھ نگلتا رہتا ہے کیا حال ہوتا ہے۔ ظاہر کو دیکھ کر کون یقین کریگا کہ وہ اس سے خوراک و پرورش حاصل کرتا ہے۔ لیکن جس قدر زیادہ وہ اِس امن و اطمینان سے دودھ پیتا ہے اُسی قدر زیادہ سرسبز ہوتا جاتا ہے۔ اچھا بتایئے۔ اُس بچّے کو کیا واقع ہو رہا ہے؟ وہ کیوں اپنی ماں کی گود میں سو جاتا ہے؟ ٹھیک اسی طرح وہ رُوح بھی جو

دُعا میں خاموش اور پُر سکون ہے اکثر رُوحانی باطنی نیند میں سوجایا کرتا ہے۔ جبکہ اُس کی تمام قوتیں اور طاقتیں خاموش و بے حس ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ وہ اس تمام خیر و خوبی کی ماہیت تک پہنچ جاتی ہیں جو جاگتے وقت انہیں فقط دم دم کے لئے ہی ملا کرتی تھی۔ اس سے آپ معلوم کرسکتے ہیں کہ کس طرح اس طریق کے مطابق رُوح کی ایک ایسے طبعی طریق پر رہنمائی کی جاتی ہے جس سے وہ کسی تکلیف۔ جدو جہد۔ مطالعہ یا ہنرمندی کی اصل غرض کو حاصل کرلیتا ہے*

باطنی ملک ایک ایسا قلعہ نہیں جس کے فتح کرنے کے لئے توپ سے حملہ کرنے کی ضرورت ہو۔ وہ صلح و امن کی مملکت ہے جو فقط محبت سے ہاتھ آسکتی ہے۔ اور اس طرح سے اگر کوئی چُپ چاپ اس طریق پر چلا جائیگا تو وہ ضرور بہت جلد اس دُعا کی حالت کو حاصل کریگا۔ خدا ہم سے کوئی بات ایسی نہیں چاہتا جو بہت بڑی یا نہایت مشکل ہو۔ بلکہ محض ایک طفلانہ اور سادہ طریقِ عمل اُس کو سب سے بڑھ کر پیارا ہے*

درحقیقت مذہب میں جو بات سب سے اعلےٰ اور اعظم ہے وہ سب سے زیادہ آسان ہے۔ سب سے ضروری ساکرینٹ نہایت آسان ہیں۔ دُنیاوی باتوں میں بھی ہم ایسا کچھ دیکھتے ہیں۔ کیا تم سمندر کو جانا چاہتے ہو؟ تو دریا پر جاکر کشتی میں سوار ہوجاؤ۔ اور تم بغیر کسی تکلیف کے اور بلا کچھ محسوس کئے وہاں پہنچ جاؤگے۔ کیا تم خدا کے پاس جانا چاہتے ہو؟ تو اس نہایت شیریں اور آسان طریق کو اختیار کرو۔ اور تو تھوڑے ہی عرصے میں ایک ایسے طریق سے

اُس تک پہنچ جائیگا کہ تجھے خود اُس پر تعجب ہوگا ۔

کاش کہ تُو ایک دفعہ اس کا تجربہ کرے تو تجھے خود معلوم ہو جائیگا کہ ہم نے تجھ سے اس کا بہت تھوڑا حال بیان کیا ہے ۔کیونکہ تُو اپنے تجربہ سے ہمارے بیان کی نسبت بڑھ بڑھ کر باتیں معلوم کریگا۔ بھلا تمہیں ڈر کس بات کا ہے ؟ تُو کیوں فی الفور اپنے کو اس ہمہ تن محبت کے ہاتھوں میں نہیں سونپ دیتا جو تیرے لینے کو بڑھائے ہوئے ہیں ۔ بھلا خدا پر اعتماد کرنے اور اپنے کو بالکل اُسکے حوالے کر دینے میں خوف کا کیا مقام ہے ؟ ہاں ۔ وہ تمہیں کبھی دھوکا نہیں دیگا ۔ اور اگر دیگا بھی تو ایسے طور سے کہ تمہیں بھی بھلا لگے ۔ یعنی وہ تمہاری اُمیدوں سے بڑھ کر تجھے دیگا ۔ لیکن جو لوگ اپنے سے کسی قسم کی اُمّید کرتے ہیں وہ ضرور اس ملامت کو سُنینگے ۔ جو خدا اپنے نبی یسعیاہ کی زبانی اُن کو کرتا ہے "تُو اپنے راستوں کی کثرت سے تھک گیا ہے تو بھی تُو نے کبھی نہیں کہا کہ مجھے سلامتی میں آرام پانے دے" (یسعیاہ ۵۷: ۱۰ لاطینی) ۔

تیرھویں فصل

۱ خدا کی حضوری میں جو ایک عجیب طور سے رُوح کو حاضر و ناظر معلوم ہوتا ہے ۔ آرام کرنا ۔

۲ ۔ اس طمانیت بخش حضوری کے پھل ۔

۳ ۔ اس ریاضت کے طریق کے متعلق ہدایت ۔

رُوح جب اس مقام پر پہنچ جاتی ہے تو اُسے (خدا کی طرف جانے کیلئے) سوائے آرام کے اور کسی قسم کی تیاری کی حاجت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس مقام پر خدا کی حضوری انسان کے لیئے ایک طبعی بات ہوجاتی ہے اور یہ حالت قریباً سارے دن برابر جاری رہتی ہے جسے دُعا کا بڑا پھل کہنا چاہیئے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ دعا کا جاری رہنا ہے۔ یہاں رُوح اپنے باطن میں ایک ناقابل بیان خوشی محسوس کرتا ہے۔ اور یہ معلوم کرتا ہے کہ اُس کے باطن میں خدا اُس کی اپنی ذات کی نسبت زیادہ سکونت پذیر ہے۔ اُسے خدا کے پانے کے لیئے فقط ایک بات کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے اندر غرق ہو جائے۔ جونہی وہ اپنی جسمانی آنکھوں کو بند کر دیتا ہے وہ اپنے کو دعا کی حالت میں پاتا ہے۔ اور وہ اُس لامحدود خیر کو دیکھکر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ اور اس کے باطن میں ایک ایسی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس میں بیرونی انسان خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ حکمت کے حق میں کہا گیا ہے وہی الفاظ اس قسم کی دعا کے بارے میں بھی کہے جا سکتے ہیں کہ "اُسکے ہمراہ سب اچھی چیزیں بھی آجاتی ہیں"۔ (حکمت ۷: ۱۱) کیونکہ تمام خصائل حسنہ بڑی شیرینی کے ساتھ روح میں اُمڈی چلی آتی ہیں[۵]۔ اور اُن کا عمل میں لانا ایسا آسان معلوم ہوتا ہے گویا کہ وہ اُس کے لئے طبیعت ثانی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُسکے اندر زندگی کا بیج یا

---

۵ میڈم گیوں اپنی سوانح عمری میں لکھتی ہے "اے میرے خدا۔ میں اس خاموشی میں کیسی اچھی طرح سے اس امر کو معلوم کرتی ہوں کہ اُن ارواح میں جو تمام تیرے ہیں تیرا فضل و توفیق دریا کی طرح امڈا چلا آتا ہے۔ یہی وہ پانیوں کا چشمہ ہے جو ابدی زندگی کے لئے پھوٹتا چلا آتا ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کا بھید مسیح نے سامری عورت پر کھولا +

رُوح پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بار آور ہوتا ہے۔ جس کے سبب سے وہ ہر ایک اچھی چیز کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بُری چیز کی طرف سے بے حس ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُسے چاہئے کہ وفاداری سے اس حالت میں قائم رہے۔ اور خبردار رہے کہ وہ کسی اور طبیعت و مزاج کی تلاش و جستجو نہ کرے۔ خواہ وہ اقرار گناہ ہو یا پاس شراکت۔عمل ہو یا دُعا۔ بلکہ اُسے کامل آرام کی حالت میں رہنا چاہئے اُس کا سوائے اس کے اور کوئی کام نہیں ہونا چاہئے کہ الہٰی فطرت کے رَو کو اپنے اندر بہنے دے اور باطن کو معمور کرنے دے۔ میری اس جگہ وہ تیاری مراد نہیں ہے جو ساکرامنٹوں کے لئے ضروری ہے بلکہ وہ نہایت مناسب باطنی حالت جو اُن کے لینے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور اسی کا میں نے ذکر کیا ہے +

چودھویں فصل

۱و۲۔ باطنی زندگی میں خاموشی۔ اُس کی وجہ۔ خدا اس کا خواہاں ہے۔

۳۔ بیرونی زندگی میں خاموشی۔ گوشہ نشینی۔ اور اپنے باطن میں محویت۔

یہ سب اُس کی مددگار ہیں۔

خداوند اپنی مقدس ہیکل میں ہے تمام دُنیا اُسکے حضور میں خاموش ہے (حبقوق ۲: ۲۰) +

یہ امر کہ یہ خاموشی کیوں لازمی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حالت نہایت مناسب ہے۔ اور ذی روح میں کلام کو قبول کرنے کے لئے جو ابدی اور اصلی کلام

ہے اس کا ہونا ضروری ہے +

یہ ایک مشہور عام سچائی ہے کہ بیرونی کلام کو سُننے کے لئے ہمیں کان لگا کر سُننا ضروری ہے۔ قوتِ سامعہ اس لئے دی گئی ہے کہ ہم بولی بات کو سُن لیں۔ ہماری یہ سُننے کی قوت خود عمل نہیں کرتی باہر کے عمل کو قبول کرتی ہے۔ یعنی جو کچھ اُسے کہا جائے اُسے سُن لیتی ہے مگر خود کچھ نہیں بتاتی۔ اور چونکہ ابدی واصلی کلام اس امر کا خواہاں ہے کہ ہماری روح کو باطن میں ہمکلام ہو اور اپنے کو اُس میں ڈالے۔ اور اس طور سے اُسے زندہ اور بحال کرے اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ روح ہمہ تن گوش ہو جائے +

اسی وجہ سے پاک نوشتوں میں بہت سے مقامات میں ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ ہم خدا کی بات کو سُنیں اور اُس کی آواز پر کان لگائیں۔ ہم بآسانی اس قسم کی بہت سی آیات نکال سکتے ہیں مگر ہم یہاں فقط دو تین پر کفایت کرینگے +

"تم سب جو میری قوم ہو میری باتیں سُنو۔ اور اے میری برگزیدہ قوم میری آواز پر کان دھر" (یسعیاہ ۵۱: ۴)۔ "تم سب جنہیں میں اپنی گود میں اُٹھائے پھرتا ہوں اور جنہیں میں اپنے پیٹ میں لئے پھرتا ہوں میری باتیں سُنو" (یسعیاہ ۴۴: ۳) "اے میری بیٹی سن۔ سوچ اور اپنا کان جھکا۔ اپنے رشتہ داروں اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا۔ تو بادشاہ تیرے حُسن کا بہت ہی خواہاں ہو گا" (زبور ۴۵: ۱۰ و ۱۱)

اندرونی خاموشی کی مشق کے لئے بیرونی خاموشی ازحد ضروری ہے اور فی الحقیقت خاموشی اور گوشہ نشینی کے بغیر باطنی خاموشی کو حاصل کرنا ایک ناممکن امر ہے خدا خود ہمیں اپنے نبی کی زبانی فرماتا ہے "میں اُسے تنہائی میں لے جاؤنگا

اور وہاں میں اُس کے دل سے باتیں کرونگا" (ہوسیع ۲: ۱۴) - بھلا یہ کیسے ہوسکتا
ہے کہ ایک شخص باطن میں تو خدا میں مشغول ہو اور باہر ہزار دل بیہودہ اور
ناچیز باتوں میں لگ رہا ہو؟ یہ یقیناً ایک ناممکن بات ہے - خدا کی باتیں سُننے
اور ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ ہونے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ آدمی
اپنے کو اور اپنی تمام ذاتی اغراض کو بالکل فراموش کردے +

جب کبھی تم اپنی کمزوری کی وجہ سے بیرونی دنیا میں پریشان اور
پراگندہ خاطر ہو جاؤ تو تمہیں چاہیئے کہ یا تو تھوڑی دیر کے لئے تنہائی اختیار
کرو، یا اپنے باطن میں غرق ہو جاؤ - اور جب کبھی تمہاری حالت پریشان اور
پراگندہ ہو جائے تمہیں لازم ہے کہ وفاداری کے ساتھ اس امر پر کاربند ہو۔
آدھ گھنٹہ یا گھنٹہ بھر کے لئے دُعا میں مشغول رہنا یا خاطر جمع ہونا کچھ
بھی فائدہ نہ دے گا اگر ہم دعا کی روح اور مسیح دن بھر برابر اپنے
باطن میں محفوظ نہ رکھیں +

پندرھویں فصل

۱ و ۲ - ضمیر کا امتحان - اس حالت میں کیسے کیا جاتا ہے - خود خدا امتحان کرتا ہے -

۳ و ۴ - اس حالت میں اقرارِ گناہ پشیمانی سے اور قصوروں کا یاد رکھنا یا بھول جانا -

۵ - یہ اس سے پہلی حالتوں پر صادق نہیں آتا - شراکت +

اقرارِ گناہ سے پہلے ہمیشہ اپنا امتحان کرنا ضروری ہے لیکن یہ امتحان
روح کی حالت کے مطابق عمل میں آنا چاہیئے یہ دونوں فعل (جنہیں جذبات
کہنا زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ انفعالی حالت رکھتے ہیں) ہمیں اُس حسن و خوبی
کی قبولیت کے جو وہ خود عطا کرتا ہے شائق اور اسکی قبولیت کے قابل بنادیتے

ہیں۔ جو شخص اس فعل کو بوجہ احسن بجا لانا چاہتے ہیں اُنہیں چاہئیے کہ اپنے کو خدا کے حضور میں کھول کر رکھ دیں۔ اور وہ اس امر میں ہرگز قاصر نہ رہیگا کہ اُنہیں اپنی روشنی عطا کرے جس کے ذریعے سے وہ اپنے قصوروں کی حقیقت سے بوجہ احسن واقف ہو جائینگے۔ مگر اُنہیں مناسب ہے کہ اطمینان اور آرام کے ساتھ اپنا امتحان کریں اور اس امر کے اُمیدوار رہیں کہ خدا اُنہیں ضرور اُن کے گناہوں سے واقف کردیگا۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ خود اپنے گناہوں کو دریافت کرنے کی کوشش کریں +

جب ہم اپنے امتحان میں سخت کوشش کرتے ہیں تو ہم آسانی سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ اور نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اپنی ذات کی محبت ہمیں آسانی سے دھوکا دیدیتی ہے۔ لیکن جب ہم خدا کے سامنے جو سب کچھ دیکھتا ہے اپنے کو پھیلا دیتے ہیں تو یہ الہٰی سورج ہمارے باریک باریک قصور اور چھوٹے چھوٹے داغ بھی نمایاں کردیتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئیے کہ اپنے کو امتحان اور اقرار کے وقت بالکل خدا پر چھوڑ دیں۔ اور اپنے کو بالکل اُسی کے حوالے کردیں +

جب رُوح اس قسم کے طریق دُعا تک ترقّی کرجائے خدا خاص طور پر اُس کے تمام قصوروں کے لئے اُسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ جونہی اس سے کوئی قصور سرزد ہوتا ہے وہ فوراً اپنے اندر ایک قسم کی جلن پاتا ہے جو اُسے ملامت کرتی ہے۔ اس وقت خدا خود تحقیقات کرتا ہے اور اُس کی آنکھ سے کوئی چیز اوجھل نہیں رہتی۔ اور تب روح کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرنا چاہئیے کہ وہ فقط اپنے کو خدا کی طرف

پھیر دے اور جو تکلیف و تادیب وہ دے اُسے صبر سے برداشت کرے +

اب چونکہ خدا ہمیشہ اُس کا امتحان کرتا رہتا ہے روح آیندہ اپنا امتحان خود نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ اپنے کو خدا کے حوالہ کر دینے میں وفادار ہے تو وہ الہٰی روشنی میں زیادہ بہتر طور پر آزمایا اور امتحان کیا جائے گا۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ خود اپنی ساری فکرمندی کے باوجود ایسا کر سکے۔ اور ذاتی تجربہ سے وہ اس امر کی سچائی کا بخوبی قائل ہو جائیگا +

باقی رہا اقرار گناہ۔ سو تمہیں ایک امر کو خوب یاد رکھنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو ارواح اس راستہ پر چلتے ہیں اُنہیں اکثر یہ دیکھ کر تعجب ہو گا کہ جب اُنہوں نے خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار شروع کیا تو بجائے اس کے کہ وہ مغموم یا پریشان ہوں جیسا کہ وہ آگے محسوس کیا کرتے تھے اُن کے دل ایک قسم کی شیریں اور پُر اطمینان محبت سے معمور ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ اس امر سے واقف نہیں ہیں ممکن ہے کہ یہ کوشش کرینگے کہ وہ اپنے کو اس حالت سے نکال کر پشیمانی کی حالت اپنے اندر پیدا کریں کیونکہ اُنہوں نے لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ ایسا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور یہ بات ہے بھی درست مگر وہ اس امر کو محسوس نہیں کرتے کہ ایسا کرنے میں وہ حقیقی پشیمانی کو جو یہ باطنی محبت ہے اور اس سے جو وہ خود اپنے میں پیدا کر سکیں از حد بلند و ضروری ہے۔ اس طور سے کھو دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا اعلےٰ عمل ہے جس میں دوسرے سب اعمال شامل ہیں۔ بلکہ یہ اُن سب سے بحیثیت مجموعی زیادہ کامل ہے گو وہ اس وقت پہلے کی طرح ان مختلف اعمال کو جُدا جُدا تمیز نہیں کر سکتے۔ اس لئے اُنہیں نہ چاہئے کہ دوسرے امور

کیلئے خواہ مخواہ اپنے کو تکلیف دیں۔ جب کہ خود خدا اپنے کمال فضل و کرم سے اُن کے باطن میں اور اُن کے ہمراہ اس طور پر کام کر رہا ہے +

اس طور سے گناہ سے نفرت کرنا گویا اُس طور سے نفرت کرنا ہے۔ جیسے کہ خود خدا کرتا ہے۔ سب سے زیادہ پاک محبت وہ ہے جو خود خدا روح میں پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اُسے کسی عمل و فعل کا آرزومند نہیں ہونا چاہئے بلکہ چاہئے کہ جس حالت میں ہے اُسی میں رہے۔ اور اُس مرد دانا کی صلاح پر عمل کرے جس نے فرمایا کہ "خدا پر بھروسہ رکھ اور جس جگہ اُس نے تجھے رکھا ہے اُسی جگہ آرام سے رہ" (واعظ ثانی ۱۱: ۲۱) روح کو یہ دیکھکر بھی تعجب ہوگا کہ وہ اپنے قصوروں کو بھولتا جاتا ہے اور اُنہیں یاد رکھنا اُسے بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مگر اُسے اس بات سے گھبرانا نہیں چاہئے جس کے دو وجود ہیں۔ اول یہ ہے کہ فراموشی اس امر کی علامت ہے کہ وہ قصور سے پاک ہو گیا۔ اور اس حالت کی عظمت اس امر میں ہے کہ ہم ہر ایک چیز کو جو ہم سے علاقہ رکھتی ہے بھول جائیں تاکہ فقط خدا ہی ہماری یاد میں رہ جائے +

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب روح کے لئے گناہوں کا اقرار کرنا ضروری ہوتا ہے تو خدا اس امر میں ہرگز قاصر نہیں رہتا کہ اُس کی سب بڑی سے بڑی خطاؤں کو اُس پر آشکارا کر دے۔ کیونکہ وہ خود اُس کا ملاحظہ و امتحان کرتا ہے۔ اور روح کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس طریق سے وہ اپنے مدعا کو بوجہ احسن حاصل کرتا ہے بجائے اس کے کہ وہ خود اس امر کے لئے جدّ و جہد کرتا +

مگر یہ امر اُن ابتدائی حالتوں سے تعلق نہیں رکھتا جہاں کہ روح ابھی

اپنی فاعلی حالت میں ہوتا ہے۔ (یعنی اُس نے اپنے کو بالکل خدا کی رضا پر نہیں چھوڑ دیا)۔ کیونکہ اس حالت میں ضرور ہے کہ وہ اپنی روحانی ترقی کے مدارج کے موافق ان سب امور کو بڑی محنت و کوشش سے بجالائے۔ لیکن وہ ارواح جو اس اعلےٰ درجے کو حاصل کر چکے ہیں انہیں اُسی امر پر جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا کاربند رہنا چاہیئے۔ اور اپنی سادہ ریاضت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے۔ یہی امر پاک شراکت پر بھی صادق آتا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ خدا کو اُن کے باطن میں کام کرنے دیں اور خود بالکل خاموش رہیں۔ کیونکہ خدا جو ہمارے باطن میں سکونت کرتا ہے وہی خدا کا بہترین طور پر استقبال کر سکتا ہے[1]+

[1] اگرچہ اس فقرے سے عموماً پاک شراکت مراد ہے جہاں ہم گویا رفاقت میں ایمان کے ساتھ خدا کو قبول کرتے ہیں مگر ایک اور معنی بھی ہیں جو صوفیوں کے خیال کے زیادہ قریب ہیں ایک فارسی نظم میں لکھا ہے کہ ایک عاشق اللہ نے جب الہٰی معشوق کے دروازے پر آکر دستک دی تو اندر سے آواز آئی کہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں ہوں اندر سے آواز آئی کہ اس گھر میں مَیں اور تُو نہیں رہ سکتی۔ عاشق جنگل کو چلا گیا اور بہت عرصے تک روزہ نماز میں مشغول رہا۔ ایک سال کے بعد وہ پھر واپس آیا اور دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کہ کون ہے۔ جواب دیا کہ تُو ہے اور دروازہ فوراً کھُل گیا۔ اس لئے ایک طرح کہا جا سکتا ہے کہ جب ہم خدا سے ملاقی ہوتے ہیں تو یہ فی الحقیقت ہمارے باطنی خدا اور بیرونی خدا کی ملاقات ہے+

سولھویں فصل

۱۔ مطالعہ اور زبانی دعا۔ اس کی کم حاجت پڑتی ہے۔

۲۔ سوائے میلان خاطر کے نہیں مانگنی چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ ہم پر فرض ہو +

اس حالت میں مطالعہ کا طریق یہ ہے کہ جونہی آدمی کی دلجمعی کی حالت ہو جائے تو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔ تھوڑا تھوڑا پڑھنا چاہیئے اور جب یہ معلوم ہو کہ اب وہ باطن میں داخل ہو گیا تو بالکل چھوڑ دینا چاہیئے۔ جونہی روح باطنی خاموشی میں داخل ہو جائے تو اُسے زبانی دعاؤں سے اپنے کو بوجھل نہیں کرنا چاہیئے۔ سوائے چند الفاظ کہنے کے۔ اور اگر ان کے بولنے میں بھی مشکل معلوم ہو اور طبیعت خاموشی کو چاہیئے تو فقط خاموش ہی رہنا چاہیئے۔ اور اس کے خلاف کسی طرح کی کوشش یا جدوجہد نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر صرف اُس صورت میں کہ بعض دعائیں مانگنا ہم پر فرض ہو۔ اس صورت میں اُن کو بجالانا درست ہوگا لیکن اگر ایسا نہ ہو تو جونہی باطنی کشش محسوس ہونے لگے انہیں بالکل چھوڑ دینا چاہیئے +

روح کو نہیں چاہیئے کہ اپنے کو مضطرب کرے یا طرح طرح کی بندشوں میں باندھے۔ بلکہ اپنے کو بالکل روح الٰہی کی ہدایت پر چھوڑ دینا چاہیئے اور وہ اس طور سے اپنے ذکر و نماز میں زیادہ تسلی و تشفی حاصل کرے گا +

سترھویں فصل

۱۔ مناجاتین۔ ذاتی درخواستین بند ہو جاتی ہیں تاکہ روح الہٰی کی سفارشوں کو جگہ ملے۔

۲۔ اس معاملہ میں ہم کو تسلیم و ایمان کو جگہ دینی چاہئے +

اس مقام پر روح اپنے کو اس امر کے بالکل ناقابل پائیگا کہ خدا سے ایسی درخواستین کرے جو وہ دیگر اوقات میں بڑی آسانی کے ساتھ پیش کر سکتا تھا۔ مگر اس امر پر متعجب نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس وقت روح القدس مقدسوں کے لئے اُن چیزوں کی درخواست کرتا ہے جو بھلا اور کامل اور رضائے الہٰی کے مطابق ہو۔ "روح بھی ہماری کمزوریوں میں مدد کرتا ہے۔ کیونکہ ہم جیسا چاہئے نہیں جانتے کہ کس طرح دعا مانگیں لیکن روح خود آہوں کے ساتھ جو بتلائی نہیں جاتیں ہمارے لئے سفارش کرتا ہے" (رومیوں ۸ : ۲۶) +

علاوہ بریں میں کہتا ہوں۔ کہ ہمیں خدا کی تدبیروں میں مدد دینی چاہئے۔ اور یہ زیادہ تر اسی طور پر کہ روح کو اس کے اپنے اعمال سے برہنہ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ (یعنی خدا) اُن کی جگہ اپنے افعال کو جگہ دے۔ اس لئے خدا کو اپنا کام کرنے دو۔ اور اپنے کو اپنی کسی بات سے مت باندھ چھوڑو۔ خواہ وہ کیسی ہی اچھی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو۔ کیونکہ یقین جانو کہ اگر وہ تم کو اُس امر سے جس کا خدا خواہشمند ہے باز رکھے تو وہ تمہارے لئے کسی صورت سے بھلی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ رضائے الہٰی کو تمام دیگر بھلی چیزوں پر ترجیح دینی چاہئے۔ اس لئے اپنے کو اپنی اغراض سے نجات دو۔ اور ایمان اور توکّل کی زندگی بسر کرو۔ کیونکہ اسی مقام مین ایمان اپنی اعلےٰ صورت اور مقدار میں کام شروع کرتا ہے +

اٹھارھویں فصل

۱۔ اس حالت کے قصور اور کمزوریوں کی بابت۔ بلاکسی فکرمندی یا بیچینی کے اُنکی طرف سے ہٹ کر خدا کی طرف پھرو۔

۲۔ اس کے خلاف کرنے سے کمزور ہوگے۔ اور یہ امر فروتن لوگوں کی عادت کے خلاف ہے +

جب کبھی ہم کسی قصور میں پڑجائیں یا راہ سے گمراہ ہو جائیں تو ہمیں فی الفور باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ چونکہ یہ نقص ہم کو خدا سے دُور ہٹاے جاتے ہیں اس لئے جس قدر جلد ہو سکے ہمیں اُس کی طرف واپس آنا چاہئے۔ اور جو پشیمانی وہ ہمارے دل میں پیدا کرے اُس کی بڑے صبر سے برداشت کرنی چاہئے +

یہ نہایت اہم امر ہے کہ ہم کو اپنے نقصوں کے لئے پژمردہ خاطر اور بیچین نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ تکلیف اور بیچینی خفیہ غرور سے یا اپنی ذاتی شان و خوبی کی الفت و عزت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ہم معلوم کرتے ہیں کہ ہم در اصل کیا کچھ ہیں تو ہم بیچین ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس سبب سے مایوس ہو جائیں اور حوصلہ ہار دیں تو ہم اور بھی زیادہ کمزور ہو جائینگے۔ اور جس قدر ہم اپنے قصوروں پر غور و فکر کریں گے اُسی قدر ہم زیادہ تنگ مزاج اور تندخو ہوتے جائینگے جو اصل قصور سے بھی بدتر ہے۔ افسوس اور بیچینی روح کو اور بھی زیادہ ڈبوتی اور پیچ و تاب میں ڈالتی ہے۔ مگر زندہ ایمان اور فروتنی اور اعتماد کے ساتھ فی الفور

اپنے کو الٰہی حضوری میں جو ہمارے باطن میں ہے لے آنا بلاشُبہ آزمائش و ابتلا کو دُور کرتا۔ تاریکی کو رفع کرتا اور دشمن پر غلبہ بخشتا ہے۔ کیونکہ وہ جو خدا کی حضوری میں کھڑا ہے ضرور گناہ سے ویسی ہی نفرت رکھیگا جیسے کہ خود خدا رکھتا ہے +

روح جو سچ مچ فروتن ہے اُسے اپنی کمزوریوں کو دیکھکر ہرگز تعجب و حیرت نہیں ہوتی اور جس قدر وہ اپنی تباہ حالی کو زیادہ زیادہ محسوس کرتا ہے اُسی قدر وہ اپنے کو خدا کے حوالے کرتا۔ اور ہر وقت اُس کے نزدیک رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اُس کی امداد کا کس قدر حاجتمند ہے۔ ہم کو اس روّیہ کے اختیار کرنے کی اور بھی زیادہ تحریک ہونی چاہئے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود خدا بھی ہمیں اس امر کی تعلیم دیتا ہے "میں تجھے سمجھاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں تجھے اُس راہ کی جس میں تجھے چلنا چاہیئے تعلیم دونگا۔ اور میں ہمیشہ تیری رہنمائی کے لئے اپنی آنکھ تجھ پر لگائے رکھونگا"

(زبور ۳۲ : ۸) +

اُنیسویں فصل

۱۔ آزمائش اور پریشانی۔ اُن سے چھٹکارا پانے کے لئے خدا کی طرف پھرنا چاہئے۔

۲۔ یہ مقدسوں کا رویہ ہے۔ اسکے خلاف کرنا اپنے کو خطرے میں ڈالنا ہے +

ہم اپنی تمام آزمائشوں اور پریشانیوں میں بجائے اسکے کہ ہم اُنکے مقابلہ پر تیار ہوں

(جس سے وہ اَور بھی بڑھ جائینگی اور رُوح کو خدا کی قربت سے علیحدہ کردینگی جس کے ساتھ اُسے ہمیشہ لگا رہنا چاہئے)۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی آنکھ اُن کی طرف سے ہٹالیں اور زیادہ زیادہ خدا کے قریب ہوتے جائیں۔ جیسے کہ بچہ جب وہ کسی ڈراؤنی چیز کو دیکھتا ہے تو اُس سے مقابلہ کرنے نہیں دوڑتا۔ نہ اُس کی طرف نظر ہی کرتا ہے۔ بلکہ عاجزی سے اپنی ماں کی گود میں چھپ جاتا ہے جہاں وہ محفوظ اور با امن رہتا ہے۔" خدا اُس کے درمیان ہے اُسے کبھی جنبش نہ ہوگی۔ وہ اُس کی مدد کریگا۔ اور یہ بہت جلدی"۔ (زبور ۴۶: ۵)۔

مگر جب ہم بیچارے کمزور مخلوق اُس کے سوا کچھ اَور طریق اختیار کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر حملہ کرنے کی سوچتے ہیں تو ہم اگر بالکل شکست نہیں کھاتے تو زخمی تو ضرور ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر فقط خدا کی حضوری میں قائم رہیں تو ہم بہت جلد اپنے کو فاتح سے بھی بڑھکر پائینگے۔ حضرت داؤد کا بھی یہی قاعدہ تھا۔ اور وہ فرماتا ہے کہ" خدا ہر وقت میرے پاس ہے۔ مجھے کبھی جنبش نہ ہوگی۔ اس لئے میرا دل خوش و خرّم ہے اور میرا جسم بھی سلامتی میں آرام کریگا"۔ (زبور ۱۶: ۸ و ۹)۔ اور پھر یہ لکھا ہے کہ" خدا تیرے لئے جنگ کریگا اور تم امن چین میں رہو گے"۔ (خروج ۱۴: ۱۴)۔

بیسویں فصل

۱ و ۲۔ دُعا الٰہی خدمت اور قربانی ہے جسے دلپسند خوشبو سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۳۔ اس قربانی میں ہماری نفس کشی۔

۴ و ۵۔ اناجیل کے مطابق اس دُعا کی کاملیت اور بارآوری۔

دُعا الٰہی خدمت اور قربانی دونوں ہونی چاہئے۔ کیونکہ مقدس یوحنا کے بیان کے مطابق یہ ایسی خوشبو ہے جس کا دھواں خدا کی طرف اُٹھتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مکاشفات کی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک فرشتہ کے ہاتھ میں عود سوز تھا جس کا دھواں مقدسوں کی دعائیں تھیں (مکاشفات ۸: ۳)۔

دُعا کیا ہے؟ اپنے دل کو خدا کے حضور میں اُنڈیل دینا۔ سموئیل کی ماں نے بھی یہی کہا تھا کہ "میں نے اپنا دل خداوند کے حضور اُنڈیل دیا ہے" (۱ سموئیل ۱: ۱۵)۔ اس لئے وہ دعا جو مجوسی بادشاہوں نے یسوع کے زمانہ طفلی میں بیت لحم کے اصطبل میں یسوع کے قدموں پر اُنڈیل دی اُن خوشبوئیوں کے ذریعے جو اُنہوں نے گزرانیں ظاہر کی گئی تھی۔ دعا سوائے اس کے نہیں کہ وہ محبت کی حرارت ہے کہ جب وہ رُوح کو پگھلاتی اور تحلیل کرتی ہے تو اُسے ایسا لطیف بنا دیتی ہے کہ وہ خدا کی طرف چڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں رُوح پگھلتی ہے تو اُس کی خوشبو سے ہر ایک چیز مہک جاتی ہے اور یہ مہک اُس محبت سے نکلتی ہے جو اُسے جلاتی ہے۔

دُلھن کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ "جب میرا معشوق بستر پر رہتا تو میری سنبل کی مہک اُڑتی رہتی" (غزل الغزلات ۱: ۱۲)۔ بستر سے رُوح کی بنیاد یا مرکز مراد ہے۔ اور جب خدا وہاں ہوتا ہے اور آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اُس کی قربت میں رہنا چاہئے۔ تو یہ حضوری رفتہ رفتہ رُوح کو پگھلاتی اور تحلیل کرتی ہے اور تب اُس سے خوشبو نکلتی اور چاروں طرف پھیلتی ہے۔ اور اس لئے معشوق یہ دیکھکر کہ اُس کی دُلھن اُس کے کلام کو سُنتی ہے اور اس طور سے گداز ہو رہی ہے اُس سے فرماتا ہے "وہ کون ہے جو بیابان میں سے ایسی اُٹھتی ہے جیسے خوشبو کا بادل"

رغزل الغزلات ۳ : ۶) ✤

اس طور سے رُوح اپنے خدا کی طرف اُٹھتی ہے۔ لیکن اس مُدّعا کو حاصل کرنے کے لئے اُسے چاہیئے کہ اپنی خودی اور اپنے ارادے کو الٰہی محبّت کی قدرت سے نابود ہونے دے۔ یہی قربانی کی حالت ہے جو مسیحی دین کا خاصّہ ہے جس کے ذریعے سے رُوح اپنے ارادے کی بربادی ہونے دیتی ہے تاکہ اس طور سے وہ خدا کی عظمت و عزّت کے آگے سر تسلیم خم کر سکے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ ”فقط خدا ہی عظیم ہے اور فقط فروتن ہی اُس کی عزّت کرتے ہیں“ (واعظ ثانی ۳ : ۲۰)۔ اور اپنی بربادی سے ہم گویا خدا کی عظیم ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ ہمارے اپناپے کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے تاکہ کلمۃ اللہ ہم میں سکونت کر سکے۔ اور اس غرض کے لئے کہ وہ ہمارے پاس آئے ہمیں چاہیئے کہ اپنی زندگی اُس کے حوالے کر دیں اور اپنے آپ سے مر جائیں۔ تاکہ وہ خود ہم میں زندگی بسر کرے تاکہ ہماری اپنی مرضی یا یوں کہو کہ ہماری انانیّت کے مر جانے سے ہماری زندگی مسیح کے ساتھ خدا میں چھپ جائے۔ اور یہی وہ عبودیت اور پرستش ہے جو تمام عزّت اور جلال اور قدرت خدا اور ہمارے نجات دہندے کو ابدالاباد دیتی رہتی ہے ✤

یہی سچّائی کی دعا ہے۔ اسی کا نام رُوح و راستی میں خدا کی پرستش کرنا ہے۔ رُوح میں اس لئے کہ ہم اُس کے ذریعے سے اپنے انسانی اور جسمانی طریق عمل سے نکل کر رُوح کی پاکیزگی میں داخل ہوتے ہیں جو ہمارے باطن میں دُعا مانگتا ہے۔ راستی میں اس لئے کہ رُوح اس کے ذریعے سے اس سچائی کو متحقق کر لیتا ہے کہ خدا کل ہے اور مخلوق نیست و عدم ہے ✤

صرف دو ہی سچائیاں ہیں یعنی کل اور عدم - اس کے سوا اور جو کچھ ہے سو جعل ہے - ہم خدا کی کلیت کی فقط اپنی عدمیت کے ساتھ عزت کر سکتے ہیں - اور جونہی کہ ہم اپنے آپے سے خالی ہو جاتے ہیں تو خدا جو کبھی کسی خالی چیز کو بھرے بغیر نہیں رہنے دیتا اُسے خود اپنی ذات سے معمور کر دیتا ہے ؂

کاش کہ ہم اُس لامحدود نیکی سے جو رُوح کو اس دعا کے ذریعے حاصل ہوتی ہے واقف ہوتے تو ہم مشکل سے اس کے سوا کسی اَور کام کو ہاتھ لگاتے - یہی وہ بیش قیمت موتی ہے - یہی وہ مخفی خزانہ ہے (متی ۱۳ : ۴۴ و ۴۶) - وہ جو اسے پاتا ہے بڑی خوشی سے اپنا سب کچھ بیچ کر اسے خرید لیتا ہے - یہی زندہ پانی کا دریا ہے جو ابدی زندگی کے لئے جاری رہتا ہے (یوحنا ۴ : ۱۴) - یہی خدا کی رُوح و راستی میں پرستش کرنا ہے (یوحنا ۴ : ۲۳) - اور یہی انجیل کی خالص تعلیم ہے جسکی تعمیل ہم پر فرض ہے ؂

کیا یسوع مسیح نے ہمیں یقین نہیں دلایا کہ آسمان کی بادشاہت تمہارے اندر ہے (لوقا ۱۷ : ۲۱) - اس بادشاہت کو دو طرح سے سمجھا جاتا ہے - ایک تو یہ کہ جب خدا ہم پر اس قدر قبضہ حاصل کرے کہ ہمارے اندر کوئی چیز اُس کی مزاحم نہ ہو - تب ہماری باطنی زندگی سچ مچ اُسکی بادشاہت بن جاتی ہے - دوسرے یہ کہ جب خدا کو حاصل کر لینے سے جو ہماری سب سے اعلےٰ خیر و نیکی ہے ہم خدا کی بادشاہت کو حاصل کر لیتے ہیں جو اعلےٰ سے اعلےٰ صلاحیت اور ہماری خلقت کا اصلی مدّعا ہے - تو گویا یہ ضرب المثل ہم پر صادق آجاتی ہے کہ خدا کی بندگی بادشاہی ہے - وہ غرض جس کے

لئے ہم خلق ہوئے ہیں اسی زندگی میں خدا کو بھوگنا ہے۔ مگر افسوس۔ ہم کس قدر تھوڑا اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہیں ۔

اکیسویں فصل

جب بعض اشخاص دعاے خاموشی کا ذکر سُنتے ہیں تو وہ بلا وجہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس دعا میں رُوح ایک کاہلی کی حالت میں پڑ جاتی ہے اور محض ہیجان اور ہجیس وحرکت ہوتی ہے مگر یہ یقینی امر ہے کہ اس حالت میں وہ زیادہ شرافت کے کام کرتی اور معمول سے زیادہ وسعت اور رستی اُسے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کی دعا میں خود خدا اُسے حرکت دیتا ہے اور وہ اُس کی رُوح کی مدد سے کام کرتا ہے۔ مقدس پولوس بھی ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہمیں خدا کی رُوح کی ہدایت سے چلنا چاہئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ رُوح کو ہرگز فعل نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ صرف یہ کہ اُسے توفیقِ الٰہی کی تحریک کے مطابق حرکت کرنی چاہئے۔ یہ امر حزقیئیل نبی کی پہیوں والی رویا میں نہایت خوبی کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ جو پہئے اُسے نظر آئے اُن میں زندگی کی رُوح تھی۔ اور جہاں کہیں رُوح اُنہیں لے جاتی تھی وہ جاتے تھے۔ وہ اوپر اُٹھتے تھے یا نیچے جاتے تھے۔ مگر ہمیشہ اُس طرح جس طرح کہ اُنہیں حرکت دی جاتی تھی۔ کیونکہ زندگی کی رُوح اُن میں تھی۔ مگر وہ پیچھے کبھی نہیں لوٹتے تھے (حزقیئیل ۱: ۱۹-۲۲)۔ رُوح کی بھی یہی حالت ہونی چاہئے۔ اُسے بھی چاہئے کہ زندگی بخش رُوح کی جو اُس میں ہے تحریک و ہدایت کے مطابق چلے اور ہمیشہ اُسی کی حرکات کی پیروی کرے اور اُسکے

سوا اور کسی کی پیروی نہ کرے۔ مگر یہ تحریک اُسے کبھی پیچھے لوٹنے پر مائل نہیں کرتی۔ یعنی نہ تو لوٹ کر مخلوق پر تکیہ کرنے کی طرف۔ نہ انانیت پر کاربند ہونے کی طرف۔ بلکہ یہ تحریک کرتی ہے کہ ہمیشہ سیدھا آگے کو جائے اور ہمیشہ اپنے انجام یا منزل مقصود کی طرف بڑھتا جائے +

رُوح کی یہ حرکت نہایت خاموش اور با اطمینان حرکت ہے۔جب وہ اپنے آپ حرکت کرتا ہے تو وہ جلد بازی کرتا اور تھک جاتا ہے۔ اور اس کے ہر ایک فعل کا یہی خاصہ ہے۔ مگر جب وہ توفیق الٰہی پر تکیہ کر کے چلتا ہے تو اُس کا فعل ایسا آزاد اور آسان اور ایسا طبعی ہوتا ہے کہ ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں کرتا " وہ مجھے نکال کے ایک کشادہ جگہ میں لے گیا۔ اُس نے مجھے چھڑایا کیونکہ وہ مجھ سے خوش تھا" (زبور ۱۸: ۱۹) +

جونہی کہ رُوح اپنے مرکزی میلان کو حاصل کر لیتا ہے یا یوں کہو کہ اجتماع خاطر کے ذریعے اپنے باطن میں عود کر آتا ہے اُسی وقت سے وہ اپنے مرکز کی طرف سفر کرنے لگتا ہے۔ اور اس مرکز کی کشش سے اُسے فی الفور نہایت اعلےٰ قوت اور تیز رفتاری حاصل ہوتی ہے کیونکہ کوئی کشش کشش ثقل سے بڑھکر زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ بھی ایک حرکت ہے۔ مگر ایسی شریف اور خاموش اور پُر اطمینان حرکت ہے کہ رُوح کو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ بالکل حرکت نہیں کر رہی۔ کیونکہ اُس کا عمل ایسا طبعی اور خاموش ہوتا ہے +

جب کہ ایک پہیہ آہستہ آہستہ گھمایا جاتا ہے تو اُسکی حرکت کو صاف صاف محسوس کر سکتے ہیں لیکن جب وہ بڑی تیزی سے حرکت کر رہا ہو تو

ہم انہیں کی کسی چیز کو بھی امتیاز نہیں کر سکتے۔ اسی طرح رُوح جب وہ خاموشی کے ساتھ خدا کے حضور میں حرکت کر رہی ہو ایک نہایت ہی شریف اور اعلےٰ فعل میں مشغول ہوتی ہے مگر اُس کا فعل نہایت ہی پُر اطمینان ہوتا ہے جس قدر رُوح کو زیادہ اطمینان حاصل ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی حرکت زیادہ تیز ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بالتمامہ اُس روح کے قبضے میں ہے جو اُسے حرکت دیتا اور اُس سے فعل کراتا ہے *

یہ رُوح خود ذات الٰہی ہی ہے جو ہمیں کھینچتی ہے اور جب ہمیں کھینچتی ہے تو ہم اُس کی طرف دوڑتے ہیں۔ جیسا کہ الٰہی عاشق خوب جانتا تھا جب اُس نے اُسے کہا کہ "مجھے کھینچ اور ہم دوڑینگے" (غزل الغزلات ۱: ۴) اے میرے الٰہی مرکز۔ مجھے کھینچ۔ ہاں میری ہستی کے گہراؤ سے مجھے کھینچ اور تیری اس کشش سے میرے تمام حواس اور قوےٰ سب کے سب تیری طرف دوڑینگے۔ یہی کشش وہ مرہم ہے جو شفا بخشتی ہے۔ اور ایسی خوشبو ہے جو ہمیں کھینچتی ہے۔ اس لئے دُلھن کہتی ہے "ہم تیرے عطروں کی خوشبو کی وجہ سے دوڑینگے" یہ نہایت قوی کشش ہے۔ مگر ایسی کشش کہ جس سے رُوح زبردستی نہیں بلکہ بڑی آزادی کے ساتھ کھینچا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ طاقتور بھی ہے اور شیریں بھی۔ اس لئے وہ اپنی قوت سے رُوح کو کھینچتی ہے اور اپنی شیرینی سے اُسے فریفتہ کرتی ہے۔ اس لئے دُلھن کہتی ہے کہ مجھے کھینچ اور ہم دوڑینگے۔ وہ اپنے بارے میں اور اپنے دل سے باتیں کرتی ہے۔ "مجھے کھینچ" اس میں مرکز کا اور اُس چیز کا جو کھینچی جاتی ہے اتحاد قابل غور ہے۔ "ہم دوڑینگے" اس میں دوڑنے اور تمام حواس و قوےٰ کا اتفاق جو رُوح کی باطنی بنیاد کی کشش کی پیروی کرتے

ہیں قابل توجہ ہے۔

اس لئے ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ ہمیں سُست اور بےحس رہنا چاہئے بلکہ یہ کہ ہمیں فقط رُوح الٰہی پر تکیہ کر کے حرکت کرنی چاہئے جو ہمیں زندگی بخشتا ہے۔ کیونکہ فقط "اُسی میں اور اُسی سے ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں"۔ (اعمال ۱۷: ۲۸)۔ فروتنی سے خدا پر تکیہ کرنا نہایت ضروری امر ہے۔ رُوح اپنی پیدائش سے خدا کی مانند ایک فرد واحد ہے۔ اور اپنی خلقت کا اصل مدّعا حاصل کرنے کے لئے ہمیں چاہئے کہ اپنے افعال کی کثرت کو چھوڑ دیں۔ تاکہ ہم خدا کی فردیت اور وحدت میں داخل ہوں جسکی شکل وصورت پر ہم بنائے گئے ہیں۔ خدا کی رُوح فرد واحد بھی ہے اور کثرت بھی ہے۔ مگر اُس کی وحدانیت ہرگز اُس کی کثرت میں خلل انداز نہیں ہوتی۔ جب ہم اُسکی رُوح سے متّحد ہو جاتے ہیں تو ہم بھی اُس کی وحدت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس طور سے اُس میں اور ہم میں ایک رُوح ہوتی ہے۔ اور اس وحدت سے باہر ہونے کے بغیر ہم بیرونی طور پر اُسکی رضا کے مطابق کثرت بن جاتے ہیں۔ چنانچہ خدا جو اپنی لامحدود ذات کے مطابق کام کرتا ہے اور ہم جو اُس کی رُوح سے رہنمائی پاتے ہیں۔ اپنی بڑی سے بڑی تیز رفتاری سے بھی بڑھکر دور لے جائے جاتے ہیں۔

ہمیں چاہئے کہ اُس لامحدود حکمت کو اپنی رہنمائی کرنے دیں کیونکہ یہ حکمت تمام حرکت کرنے والی چیزوں سے زیادہ حرکت کرنے والی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہر وقت اُس کی حرکات پر تکیہ کئے رہیں۔ تب ہم زیادہ قوّت کے ساتھ حرکت کر سکینگے۔

"خدا کے کلام سے تمام چیزیں بنیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اُس میں

کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہ ہوئی۔ (یوحنّا ۱: ۳)۔ خدا نے پہلے پہل
ہم کو اپنی صورت و شکل پر بنایا اور اُس نے ہم میں اپنے کلمہ کی رُوح پھونکی
اُس زندگی کے دم سے جو اُس نے اُس وقت ہمیں عطا کیا جب ہم اُس
کلمہ کی حیات میں شریک ہونے سے جو باپ کا نقش ہے خدا کی صورت
پر بنائے گئے۔ اب یہ زندگی واحد۔ مفرد۔ خالص۔ باطنی اور ہمیشہ
ثمر آور ہے۔ چونکہ شیاطین نے اس خوبصورت شکل کو گناہ کے ذریعے
خراب اور بدنما کر دیا اس لئے یہ ضروری تھا کہ وہی کلمہ جس کی رُوح ہماری
خلقت کے وقت ہم میں پھونکی گئی تھی۔ خود آ کر اُس کی درستی کرے۔ یہ
ضروری تھا کہ یہ اصلاح اُسی کے ذریعے عمل میں آئے کیونکہ وہ باپ کا
اصلی نقش ہے اور یہ خراب شدہ نقش بھی اپنے کو کسی اپنے عمل و فعل سے
درست نہیں کر سکتا بلکہ اس طور سے کہ اپنے کو اُس کلمہ کے عمل کے سامنے
جو اُس کی درستی کے لئے آیا ہے تسلیم کر دے۔

اس لئے ہمارا سارا کام یہی ہونا چاہئے کہ ہم اپنے کو ایسی حالت
میں رکھ دیں کہ خدا ہمارے اندر اپنا کام کر سکے۔ اور کلمہ کو جگہ دیں کہ اپنے
نقش کو ہمارے اندر پھر درست اور تازہ کر سکے۔ وہ نقش جو ہمیشہ حرکت
کرتا رہے مصوّر کو اس امر کا موقع نہیں دیگا کہ اپنے حسب منشا اُس پر
تصویر کھینچ سکے۔ تمام حرکات جو ہم اپنی رُوح کے ذریعے سے کرتے ہیں
اس عالیجاہ مصوّر کو اپنے کام کے پورا کرنے سے باز رکھتے ہیں اور ناکامل
نقش ثبت ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ بالکل سکوت
اور امن اختیار کریں اور سوائے اس کے کہ وہ ہمیں حرکت دے حرکت نہ
کریں۔ یسوع مسیح اپنے میں حیات و زندگی رکھتا ہے۔ (یوحنّا ۵: ۲۶)۔

اور ہر ایک شخص جو زندہ ہونا چاہتا ہے اُس کے لئے ضرور ہے کہ اُس سے زندگی حاصل کرے ۔

یہ امر کہ یہ فعل زیادہ شریفانہ ہے اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ یقیناً چیزوں کی جو کچھ قدر و قیمت ہوتی ہے اُن کے اصل کی شرافت اور عظمت کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ الٰہی اصل کے کام الٰہی ہوتے ہیں ۔ برخلاف اس کے مخلوق کے فعل خواہ وہ کیسے عمدہ کیوں نہ معلوم ہوں محض مخلوقانہ اور انسانی ہوتے ہیں ۔ اور اگر اُن میں کوئی خوبی ہوتی بھی ہے تو اسی وجہ سے کہ وہ توفیق الٰہی کی بدولت سرزد ہوئے ہیں ۔ یسُوع مسیح فرماتا ہے کہ وہ اپنے میں زندگی رکھتا ہے ۔ اور سب اشیا کی زندگی مستعار ہے مگر صرف کلمہ ہی ہے جو اپنے میں زندگی رکھتا ہے اور چونکہ وہ طبعاً اپنی فطرت کو دوسروں میں ڈالنا چاہتا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی بھی بنی انسان کو عطا کرے ۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے کو اس زندگی کے حوالے کردیں تاکہ وہ ہمارے اندر داخل ہو جائے ۔ اور یہ ہو نہیں سکتا جبتک ہم اپنے کو خالی نہ کردیں ۔ اور آدم کی زندگی اور اپنی مرضی کا نقصان گوارا نہ کریں ۔ جیسا کہ مقدس پولوس نے بھی فرمایا ہے ۔ اگر کوئی یسُوع مسیح میں ہے تو وہ نئی مخلوق ہے ۔ پُرانی چیزیں جاتی رہیں دیکھو وہ نئی ہو گئیں ۔ (۲ قرنتیوں ۵ : ۱۷) ۔ اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک ہماری اپنی حس و حرکت کو موت نہ آئے ۔ تاکہ ہمارے عمل کی جگہ خدا کا عمل جاری ہو جائے ۔

اس لئے ہرگز اس کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم بالکل کام ہی نہ کریں ۔ بلکہ صرف یہ کہ ہمارے سب کام خدا کی رُوح کی رہنمائی پر منحصر ہونے چاہئیں ۔ تاکہ مخلوق کے افعال کی جگہ اُس کا عمل کام کرے ۔ مگر یہ بات

سوائے مخلوق کی رضامندی کے ہو نہیں سکتی - اور مخلوق بھی رضا نہیں دے سکتا جبتک کہ اپنے عمل و حرکت کو ڈھیلا نہ کردے اور درجہ بدرجہ اپنے کو گھٹاتا نہ جائے تاکہ اُسکی جگہ خدا کا عمل جا پذیر ہوتا جائے ۔

یسوع مسیح انجیل میں ہمیں اس راہ کی تعلیم دیتا ہے - مارتھا اچھے کام کرتی تھی مگر چونکہ وہ اپنی رُوح کے مطابق کرتی تھی - اس لئے اُس نے اُسے ملامت کی - انسان کی رُوح مضطرب اور بیچین رہتی ہے اس لئے گو وہ بہت کچھ کرتی ہوئی معلوم دیتی ہے مگر درحقیقت بہت کم کام کرتی ہے - مسیح نے فرمایا - مارتھا مارتھا - تو بہت سی چیزوں کے لئے بیچین اور اندوہگین ہے - لیکن درحقیقت فقط ایک چیز ضروری ہے - مریم نے بہتر حصّہ چُن لیا ہے جو اُس سے لیا نہ جائیگا - (لوقا ۱۰: ۴۱ و ۴۲) ۔

مریم نے کیا چُن لیا تھا؟ یہ اطمینان اور امن و آرام تھا - وہ ظاہراً کچھ کرتی معلوم نہیں ہوتی - تاکہ یسوع مسیح کی رُوح اُس کے باطن میں تحریک کرسکے - وہ زندہ بھی نہیں ہے - تاکہ یسوع مسیح اُس کے باطن میں سکونت کرے - اور اس لئے اگر ہم یسوع مسیح کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضرور ہے کہ ہم اپنے کو اور اپنے حرکات و افعال کو ترک کردیں - کیونکہ ہم یسوع مسیح کی پیروی نہیں کرسکتے جب تک اُس کی رُوح ہم کو زندہ نہیں کرتی - (رومیوں ۸: ۹) - اب اس غرض سے کہ مسیح کی رُوح ہم میں پیدا ہو یہ ضرور ہے کہ ہماری رُوح اُس کے لئے جگہ خالی کردے - مقدّس پولوس لکھتا ہے کہ جو کوئی خداوند سے لپٹا یا چمٹا رہتا ہے اُس کی رُوح کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتا ہے (۱-قرنتیوں ۶: ۱۷) - اور حضرت داؤد بھی فرماتے ہیں کہ میرے لئے اچھا ہے کہ خداوند سے لپٹا رہوں اور اپنا تمام بھروسا اُسی پر رکھوں

(زبور ۷۳: ۲۸) - یہی اس اتّحاد کا آغاز ہے +

اس اتّحاد کا آغاز بھی ہوتا ہے - اجراء بھی اور خاتمہ اور تکمیل بھی۔ اس اتّحاد کا شروع یا اُس میں داخل ہونا رُوح کی ایک حرکت ہے جو وہ خدا کی طرف کرتا ہے - جب نفس اس طور سے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا باطن کی طرف پھرتا ہے تو وہ گویا اپنے مرکز کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس طور سے اتّحاد کی طرف کھینچا یا دھکیلا جاتا ہے - یہ کشش اتّحاد کا شروع ہے - بعد ازاں وہ اس سے لپٹا رہتا ہے جس سے خدا کی قربت میں زیادہ زیادہ اُسکی رسائی ہوتی جاتی ہے - اور تب وہ اُس سے متّحد ہوجاتا ہے اور اس وقت سے لیکر وہ برابر اتّحاد میں رہتا ہے یعنی وہ اُس کی رُوح کے ساتھ مل کر ایک ہوجاتا ہے - اور اس وقت یہ ہوتا ہے کہ یہ رُوح جو خدا سے نکلی تھی پھر خدا کے پاس واپس چلی آتی ہے - کیونکہ یہی اُس کا اکیلا مقصد و مدّعا ہوتا ہے +

یہ الٰہی تحریک - یہ یسُوع مسیح کی رُوح ہی وہ راہ ہے جس میں ہمارے لئے چلنا ضروری ہے - کیونکہ مقدّس پولوس ہمیں یقین دلاتا ہے کہ کوئی آدمی یسُوع مسیح کا نہیں ہوسکتا جب تک اُس میں اُس کی روح نہ ہو - (رومیوں ۸: ۹) - اب اس لئے کہ ہم مسیح کے ساتھ ایک ہوں ہمیں چاہئے کہ اپنے کو اپنائیت سے خالی ہونے دیں تاکہ ہم اُس کی رُوح سے معمور ہوجائیں - کیونکہ جب تک ہم اپنے سے بھرے ہوئے ہیں تب تک ہم میں اُس کی جگہ نہیں ہوسکتی - مقدّس پولوس اسی مقام پر اس امر کو بھی ثابت کرتا ہے کہ ہمارے لئے اس مبارک رُوح سے حرکت دیا جانا کیسا ضروری ہے - چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ وہ سب جو خدا کی رُوح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں - (رومیوں ۸: ۱۴)

اس لئے الٰہی ابنیت کی روح ہی وہ روح ہے جو ہمارے اندر الٰہی تحریکیں پیدا کرتی ہے۔ اس لئے رسول کہتا ہے کہ "تم کو غلامی کی روح نہیں ملی جس سے پھر ڈر پیدا ہو بلکہ لے پالک ہونے کی روح ملی جس سے ہم ابّا۔ یعنی اے باپ کہہ کر پکارتے ہیں"۔

اس لئے مسیح کی رُوح کے سوا کسی اَور رُوح کے ذریعے سے ہم اس ابنیت یا فرزندیت میں شریک نہیں ہوسکتے۔ اور یہ رُوح بھی بذاتِ خاص ہماری رُوحوں سے اس امر پر شہادت دیتی ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ (رومیوں ۸: ۱۵ و ۱۶)

اس لئے جونہی آدمی روح الٰہی کو اجازت دیتا ہے کہ اُسے حرکت دے وہیں اپنے باطن میں الٰہی فرزندیت کی شہادت معلوم کرتا ہے۔ اور اس شہادت سے اُس کی خوشی اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ اُس سے نفس کو صاف صاف گواہی اس امر کی ملتی ہے کہ اُس کو خدا کے فرزندوں کی آزادی عطا ہو گئی ہے اور کہ جو رُوح اُسے ملی ہے سو غلامی کی رُوح نہیں بلکہ آزادی کی رُوح ہے۔ نفس اُس وقت محسوس کرتا ہے کہ وہ آزادی اور ملائمت مگر ساتھ ہی اسکی قدرت اور استقلال کے ساتھ حرکت کرتا ہے۔

[1] ٹولر صاحب اپنے ایک وعظ میں جو انہوں نے عید تولدؔ کے موقع پر دیا لکھتے ہیں۔ "اب ایسا آدمی جب وہ دوبارہ خدا میں تولدؔ ہوتا ہے تو خدا کا بیٹا بن جاتا ہے اور یہ امر ہر ایک تازہ مکاشفے کے ساتھ ساتھ جو خدا اُسکی روح کو عطا کرتا ہے واقع ہوتا ہے۔ آدمی روح سے پیدا ہوتا ہے جب وہ خدا کا عمل اپنی روح میں ہونے دیتا ہے۔ مگر یہ بات نہیں ہے جو اُسکی رُوح کو کامل طور پر مبارک بنا دیتی ہے بلکہ وہ مکاشفہ جسکا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں روح کو اُس کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے جس نے اپنے کو اُس پر ظاہر کر دیا ہے اور جس میں وہ از سر نو محبت اور حمد کے ساتھ تولد ہوتی ہے اس طرح سے وہ پھر اپنے اصل منبع کی طرف واپس آتی ہے اور خدا کے فضل و توفیق سے خدا کا فرزند بنتی اور حقیقی محبت سے اُس سے متحد

مقدّس پولوس ہماری ناواقفی اور جہالت کی بنا پر جو ہم اُن چیزوں کے بارے میں جن کے لئے دعا مانگتے ہیں رکھتے ہیں یہ ثابت کرتا ہے کہ ہم ہر ایک معاملے میں خدا کی روح سے چلائے جائیں اور اُسی سے متحرک اور زندہ ہوں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ روح ہماری کمزوریوں میں مدد کرتی ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ کس چیز کے لئے دعا مانگیں۔ اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کس طرح دعا مانگنی چاہیئے۔ بلکہ خود رُوح ہمارے لئے ایسی آہیں مار مار کر جو بیان نہیں کی جاسکتیں دُعا مانگتی ہے۔ یہ یقینی بات ہے۔ اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم کس چیز کے حاجتمند ہیں اور نہ یہ کہ اُن چیزوں کے لئے جن کے حاجتمند ہیں کس طرح دُعا مانگنی چاہیئے۔ اور اس لئے اگر اُس رُوح کو جو ہمارے اندر ہے اور جس کی تحریک کے حوالے ہم نے اپنے آپ کو کر دیا ہے ہمارے لئے درخواست کرنا اور دعا مانگنا ضروری ہے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم اسی روح کو یہ کام کرنے دیں؟ وہ یہ کام ایسی آہوں کے ساتھ جن کا بیان نہیں ہوسکتا سرانجام کرتا ہے۔ اور یہ رُوح وہی کلمہ ہے جسکی درخواست ہمیشہ سُنی جاتی اور پایۂ قبولیت کو پہنچتی ہے جیسا کہ اُس نے خود بھی فرمایا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تُو ہمیشہ میری سُنتا ہے۔ (یوحنا ۱۱: ۴۲) اگر ہم اس رُوح کو اپنے اندر دُعا و سفارش کرنے دیں تو ہماری دعا ہمیشہ سُنی جائیگی اور پایۂ قبولیت کو پہنچیگی۔ اور یہ کس لئے؟ اے بڑے رسول اور روحانی طبیب اور باطنی زندگی کے معلّم! ہمیں تعلیم دے۔ مقدّس پولوس لکھتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ روحوں کا پرکھنے والا جانتا ہے کہ رُوح کی کیا نیت ہے یعنی وہ خدا کی مرضی کے موافق مقدّسوں کی شفاعت کرتی ہے۔ (رومیوں ۸: ۲۷) جس کا یہ مطلب ہے کہ اس لئے کہ یہ روح صرف اُس چیز کی بابت درخواست

کرتی ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور خدا کی مرضی یہ ہے کہ ہم نجات پائیں اور کامل بن جائیں اس لئے وہ اُسی چیز کی بابت درخواست کرتا ہے جو ہماری کاملیت کے لئے ضروری ہے *

بھلا ان سب باتوں کو جان کر بھی ہم کیوں خواہ مخواہ بڑی فکرمندی کے ساتھ اپنے کو تکلیف دیتے اور اپنے ہی بیشمار طریقوں پر چلنے میں اپنی زندگیوں کو برباد کر دیتے ہیں اور کبھی بھی یہ نہیں کہتے کہ آؤ۔ ہم اطمینان و سلامتی سے چین کریں۔ خود خدا ہمیں دعوت کرتا ہے کہ ہم اپنی سب محنتوں اور بیچینیوں سے آرام کریں اور اپنے کو بالکل اُسی پر ڈال دیں۔ نہیں۔ بلکہ وہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں اس امر کی نسبت بڑی محبت کے ساتھ شکوہ کرتا ہے کہ ہم اپنے نفس کی طاقت اور اُس کی دولت اور خزانے بیشمار بیرونی اشیا پر ضائع کرتے ہیں جب کہ صرف تھوڑی سی محنت کے ساتھ بیشمار عمدہ چیزوں سے لذّت اور حظ اُٹھانا ممکن ہے۔" تم کیوں اپنا روپیہ اُس چیز پر خرچ کرتے ہو جو قوّت نہیں بخشتی۔ اور اپنی محنت اُس چیز پر جو سیر نہیں کرتی؟ توجہ سے میری بات سُنو۔ اُس اچھی خوراک کو کھاؤ جو میں دیتا ہوں۔ اور تمہاری جان اُس سے موٹی ہو کر خوش و خرّم ہوگی۔ (یسعیاہ ۵۵: ۲) *

کاش کہ لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس معاملے میں خدا کی بات پر کان دھرنے سے کس قدر خوشی حاصل ہو سکتی۔ اور اس سے کس قدر جان کو قوّت حاصل ہوتی ہے۔" ضرور ہے کہ تمام جسم خداوند کے حضور میں خاموش رہیں"۔ (زکریاہ ۲: ۱۳) اور جس وقت وہ ظاہر ہو سب خاموش اور بے حسّ ہو جائیں۔ اب خدا اس غرض کے لئے کہ ہم بلا تکلّف اپنے آپ کو بالکل

اُس کے حوالے کردیں اپنے ایک نبی کی معرفت ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو اُسکے سپرد کردینے میں کسی امر کا خوف نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ہرایک شخص کی فرداً فرداً حفاظت و خبرداری کرتا ہے۔ خدا فرماتا ہے کیا ماں اپنے بچّے کو بُھول جاتی ہے۔ اور اپنے بیٹے پر جسے وہ اپنے پیٹ میں لئے پھری ہے کچھ رحم نہیں کرتی ؟ لیکن اگرچہ وہ بھول جائے۔ تاہم میں تمہیں کبھی نہیں بھولونگا۔ (یسعیاہ ۴۹: ۱۵) یہ الفاظ کیسے تسلّی بخش ہیں۔ انہیں سُنکر کون ہے جو اب بھی اپنے کو خدا کی رہنمائی پر چھوڑنے سے خوف کریگا ؟

بائیسویں فصل

۱-۵ - بیرونی اور اندرونی افعال کا امتیاز اور کہ اس حالت میں رُوح کے افعال باطنی اور حسب عادت۔ جاری اور بلا واسطہ۔ عمیق۔ سادہ اور بے ارادہ اور ایسے ہوتے ہیں جیسے کوئی خدا کی محبت کے سمندر میں باآرام اور برابر غسل کیا کرے ۔

۶ - رُوح اس حالت میں کیا کرتی ہے ۔

۷ و ۸ - ایک خوبصورت تمثیل ۔

۹ - خود آگاہی کو جگانے کے بغیر کس طرح عمل کرنا چاہئے ۔

آدمی کے افعال یا تو بیرونی ہوتے ہیں یا اندرونی۔ بیرونی وہ ہیں جو کسی محسوس امر کے متعلق ظاہر ہوتے ہیں اور جن میں بذاتہٖ کوئی اخلاقی خیر و شر نہیں ہوتا سوائے اُسکے جو وہ اُس باطنی اصل میں جس سے وہ صادر

ہوتے ہیں حاصل کرتے ہیں ٭
میں اس وقت اُس کا ذکر نہیں کرنا چاہتا بلکہ صرف باطنی افعال کا جو رُوح کے افعال ہیں جن کے مطابق وہ اپنے باطن میں کسی خاص چیز سے ملی رہتی اور دوسری چیز سے الگ رہتی ہے۔ اگر اُس وقت جبکہ میری رُوح خدا سے پیوست ہو اور مجھ سے کوئی فعل کسی اَور طرح کا سرزد ہو تو میں ایسا کرنے سے خدا کو ترک کر دیتا ہوں۔ اور میں اپنے کو اُس فعل کے مطابق جو مجھ سے سرزد ہوا ہے کم و بیش طور سے مخلوق اشیا کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اگر اُس وقت جبکہ میری رُوح مخلوق کی طرف متوجہ ہو میں خدا کی طرف پھرنے کا خواہشمند ہوں تو اُس وقت ضرور کوئی ایسا فعل واقع ہوگا جو مجھے مخلوق کی طرف سے ہٹا کر خدا کی طرف متوجہ کرے۔ اور جس قدر یہ فعل زیادہ کامل ہوگا اُسی قدر میرے دل کی تبدیلی زیادہ ہوگی لیکن جب تک میرا دل کامل طور پر تبدیل نہ ہو جائے ضرورتاً ہمیشہ مجبوراً ایسے ایسے فعل مجھ سے سرزد ہوتے رہینگے جو رفتہ رفتہ مجھے خدا کی طرف لے جائیں۔ اور یہ امر بعض اشخاص میں تو دفعتہً تکمیل کو پہنچ جائیگا اور بعض میں آہستہ آہستہ۔ تاہم ہر ایک فعل میں مجھے اپنی جان کی ساری طاقت خدا کی طرف لوٹنے میں کام میں لانی چاہئے۔ جیسا کہ ابن سراج ہمیں صلاح دیتا ہے۔ کہ "اپنے دل کی تمام تحریکوں کو خدا کی قدوسیت کے ساتھ متحد کر دو"۔ اور جیسے کہ حضرت داؤد نے کہا کہ "میں اپنی ساری طاقت تیرے لئے رکھونگا"۔ (زبور ۶۹: ۹) اور یہ کام فقط بڑے زور سے اپنے باطن میں داخل ہونے سے سرانجام ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پاک نوشتوں میں لکھا ہے "اپنے دل کی طرف رجوع کرو"۔ (یسعیاہ ۴۶: ۸)۔ اس لئے کہ ہم گناہ کے سبب اپنے دلوں سے بھٹک گئے

ہیں۔ اور اس لئے خدا فقط ہم سے ہمارے دل ہی چاہتا ہے۔" اے میرے فرزند۔ اپنا دل مجھے دے۔ اور تیری آنکھیں ہمیشہ میرے راستوں پر لگی رہیں" (امثال ۲۳: ۲۶) اپنا دل خدا کو دینا یہ ہے کہ ہر وقت اپنی آنکھ اور قوتت اور روح کی طاقت اُسی پر لگی رہے۔ تاکہ آدمی کامل طور سے ہر ایک بات میں اُس کی رضا پر چل سکے۔ اس لئے جب دل ایک دفعہ خدا کی طرف لگ جاتا ہے اُسے چاہئے کہ برابر اُسی کی طرف لگا رہے۔

مگر چونکہ انسان کا دل کمزور ہے اور شہوات کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور نفس جو اس طور سے آوارہ گردی کا عادی ہو رہا ہے۔ بڑی آسانی سے گمراہ اور پریشان ہوجاتا ہے۔ اور اس لئے جس قدر جلد وہ اپنے کو بیرونی اشیا میں حیران و سرگرداں پاتا ہے تو اُسے ایک بالکل سادہ فعل کے ذریعے اپنے کو خدا کی طرف لوٹانا اور پھر اُس میں قائم ہونا چاہئے۔ اس صورت میں اُس کا یہ فعل اُس وقت تک جب تک اُسکے دل کی تبدیلی قائم رہیگی برابر قائم رہیگا کیونکہ اُس نے ایک سادہ اور بے لوث فعل سے اپنے کو خدا کی طرف رجوع کردیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جن افعال کو ہم بار بار کرتے رہیں ہم اُن کے عادی ہوجاتے ہیں اسی طرح نفس بھی خدا کی طرف رجوع ہونے کا عادی ہوجائیگا۔ اور اُس کا یہ فعل بار بار کرنے سے اس کی طبیعت ثانی بن جائیگا۔

اس وقت نفس کو چاہئے کہ اس فعل کے پیدا کرنے کے لئے خواہ مخواہ اپنے کو حیران نہ کرتا پھرے کیونکہ وہ درحقیقت پہلے ہی سے اُس میں موجود ہے۔ وہ حیران ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنا اب اُس کے لئے مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ وہ معلوم کرلیگا کہ ایسا کرنے سے وہ گویا اُس امر کی تلاش

کرنے کی بجائے اُلٹا اپنی اصلی حالت کو کھو دیگا - جو اُس کے لئے کسی طور سے بھی جائز نہیں ہے - کیونکہ یہ تعلق روحانی مستقل ہے - اور نفس اس وقت محبت اور تبدیل شدہ حالت میں رہنے کا عادی ہوگیا ہے ٭

شائد کوئی کہے کہ بعض وقت وہ بڑی آسانی کے ساتھ (یعنی دوبارہ رجوع لانے کے) اس فعل کو بڑی صفائی کے ساتھ گو سادہ طور سے کرسکتا ہے - جو اس امر کی علامت ہے کہ وہ گمراہ ہوگیا تھا اور اب وہ بعد اسکے کہ وہ اُس سے آوارہ ہوگیا تھا پھر اپنے دل میں داخل ہوتا ہے - لیکن اب جو وہ وہاں واپس آگیا ہے اُسے چاہئے کہ خبردار رہے اور بڑے اطمینان کے ساتھ وہیں ساکن رہے - جب کبھی کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کوئی فعل بھی نہیں کرنا چاہئے تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی فعل ضرور کرتا رہتا ہے - لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر ایک اُس درجہ کے مطابق جس تک وہ پہنچا ہے ان افعال کو سرانجام کرتا رہے ٭

اس مضمون کو زیادہ وضاحت سے بیان کرنے کے لئے (جو ذرا مشکل کام ہے اس لئے کہ بہت سے روحانی آدمی بھی اسے بخوبی نہیں سمجھ سکتے) - تمہیں یہ جتانا ضرور ہے کہ بعض افعال عارضی اور قابل امتیاز ہیں - اور بعض متواتر ہیں - پھر بعض بلاواسطہ ہیں اور بعض انعکاسی ہیں - سبھی نہ تو اول قسم کے ہوسکتے ہیں اور نہ ہی سب اس حالت میں ہیں کہ انہیں دوسری قسم میں شمار کردیا جائے - اول قسم کے افعال اُن اشخاص کو کرنے چاہئیں جو گمراہ ہوگئے ہوں - اُنہیں چاہئے کہ ایک خاص فعل کے ذریعے جسے وہ امتیاز کرسکیں اور جو کم و بیش مضبوط ہو بہ لحاظ اُنکی گمراہی کی کمی بیشی کے - اپنے کو پھر لوٹائیں - اس طور سے کہ جب گمراہی تھوڑی سی

ہو تو ایک بالکل سادہ فعل اُس کے لئے کافی ہونا چاہئے ۔

میں اُس فعل کو متواتر کہتا ہوں جس میں نفس بالکل اپنے خدا کی طرف ایک بلاواسطہ فعل کے ذریعے رجوع ہوگیا ہے جسے اُسے بار بار دُہرانے یا تازہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی (شائد سوائے اُس صورت کے جبکہ اُس میں رخنہ یا خلل پڑگیا ہو)۔ مگر یہ تعلق برابر قائم رہتا ہے۔ اور نفس اس طور سے رجوع ہوکر اب محبت میں ہے اور اُسی میں ساکن ہے۔ اور" وہ جو محبت میں ساکن ہے خدا میں ساکن ہے"۔ (۱-یوحنا ۴: ۱۶) اس وقت گویا نفس کے لئے یہ فعل بطور ایک عادت کے ہوگیا ہے جس میں وہ آرام کرتا ہے۔ مگر اُس کا یہ آرام کاہلی نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تمہارا یہ فعل جو برابر ہر وقت جاری ہے درحقیقت خدا میں ایک قسم کی گوشہ نشینی ہے جس میں خدا اُسے برابر کھینچتا رہتا ہے اور نفس بھی آمادگی سے اس مضبوط کشش سے کھنچا جانا پسند کرتا ہے اور اُسی کی محبت میں سکونت کرتا ہے۔ اور ہمیشہ زیادہ زیادہ اُس کی محبت میں غرق اور جذب ہوتا جاتا ہے۔ اور اس موقع پر اُس کا فعل بہت ہی زیادہ قوی اور طاقتور ہوتا ہے بہ نسبت اُس پہلے فعل کے جس کے ذریعے وہ فقط اپنی آوارہ گردی سے لوٹ کر گھر کو واپس آگیا تھا ۔

اب چونکہ نفس اس قوی اور گہرے فعل کے ذریعے بالکل اپنے خدا کی طرف رجوع ہوگیا ہے اس لئے اُسے اپنے فعل کی بھی حِس نہیں رہتی کیونکہ وہ انعکاسی نہیں بلکہ بلاواسطہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض اشخاص جو اپنے مدّعا کو صاف طور سے بیان نہیں کرسکتے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اب وہ بالکل فعل سے معرّا ہیں۔ مگر یہ کہنا غلطی ہے۔ کیونکہ نفس کو اس سے بڑھکر

عمل و حرکت شاذ ہی کبھی نصیب ہوا ہوگا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ "اب میں افعال میں تمیز نہیں کر سکتا" نہ یہ کہ "مجھ سے اب بالکل کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا"۔ یہ تو سچ ہے کہ نفس انہیں خود بخود نہیں کرتا۔ بلکہ کھنچا جاتا ہے اور جو اُسے کھینچتا ہے اُس کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے۔ یہ محبت کا بوجھ ہے جو اُسے ڈبائے دیتا ہے۔ جیسے کہ کوئی آدمی سمندر میں گر کر ڈوب جاتا ہے اور اگر سمندر اتھاہ ہو تو برابر ڈوبتا چلا جائیگا۔ اور اُس چیز کو جو اُسے گھیرے ہے محسوس کئے بغیر وہ بڑی تیزی کے ساتھ نیچے ہی نیچے چلا جائیگا۔

اس لئے یہ کہنا کہ آدمی کوئی فعل نہیں کرتا درست نہیں۔ ہر کسی سے افعال سرزد ہوتے ہیں مگر سب کے افعال ایک ہی طرز کے نہیں ہوتے۔ اور علاوہ بریں اس غلطی کی یہ وجہ بھی ہے کہ بہت لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ ہم سے افعال سرزد ہونا ضروری ہے تو بھی یہ چاہتے ہیں کہ یہ افعال ایسے طور سے ہوں کہ وہ اُنہیں تمیز اور حِس کر سکیں۔ مگر یہ بات نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ افعال جنہیں ہم محسوس کر سکتے ہیں وہ مبتدی انفاس کے فعل ہیں۔ اور دوسرے منتہیوں کے ہیں۔ پہلے ہی افعال میں جمے رہنا جو کمزور اور بہت تھوڑی ترقی کرنے والی ہیں ہیں گویا آخری افعال سے اپنے کو محروم رکھنا ہے۔ اسی طرح ابتدائی افعال میں سے گزرنے کے بغیر آخری افعال کے کرنے کی اُمید کرنا بھی سراسر غلطی ہے۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ سب کچھ اپنے اپنے وقت پر کیا جائے ہر ایک حالت کا شروع اور درمیان اور انجام ہوتا ہے۔ (واعظ ۳:۱)۔ جو شخص یہ ٹھان لے کہ وہ ابتدا سے پرے نہ جائیگا غلطی کرتا ہے۔ دُنیا میں کوئی ایسا فن نہیں جس میں ترقی نہ ہو۔ شروع شروع میں کام کرنے میں سخت محنت

ہوتی ہے۔ مگر اس کے بعد وقت آتا ہے جب کہ آدمی محنت کے پھل سے
حظ اُٹھاتا ہے +

جب جہاز ڈاک (مرمت گاہ) میں ہو تو وہاں سے اُٹھا کر سمندر میں
تیرانا ملاحوں کے لئے ایک سخت مشکل کام ہوتا ہے۔ مگر بعد ازاں وہ بڑی
آسانی سے جدھر چاہتے ہیں اُسے پھیر سکتے ہیں۔ اسی طرح روح جب تک
گناہ اور مخلوق میں پھنسا ہوا ہے اُسے وہاں سے نکالنے کے لئے بہت سی
محنت اور جد و جہد کرنی پڑتی ہے اور اُن رسّیوں کو جو اُسے باندھے ہوئے
ہیں کھولنا ہوتا ہے۔ اس وقت قوی اور مضبوط افعال کے ذریعے سے
اور بڑی کوششوں سے نفس کو باطن کی طرف کھینچا جاتا ہے اور آہستہ
آہستہ اُس کو اُسکے پہلے بندرگاہ سے ہٹایا جاتا ہے۔ اور جب وہ وہاں سے
ہٹ جاتا ہے تو وہ خدا کی طرف اپنے باطن میں رجوع کرتا ہے جو اُس کا
حقیقی مقام مقصود ہے اور جس کی طرف ہم اپنے سارے بادبان کھول کر
سفر کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں کہ جہاز اس طور پر پھیرا جاتا ہے جبکہ وہ سمندر میں
چلا جاتا ہے تو اُس وقت وہ زمین سے دُور ہوتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ
وہ زمین سے دُور ہو اُسی قدر اُس کے کھینچنے میں کم زور لگانا پڑتا ہے۔
آخر کار ملاّح بڑے آرام سے سفر کرنے لگتے ہیں اور جہاز ایسے زور سے
چلتا ہے کہ وہ اپنے چپوّ چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ اب اُن کی بالکل ضرورت
باقی نہیں رہتی۔ اب ناخدا کیا کرتا ہے؟ صرف یہی کہ بادبان کھول دیتا
ہے اور پتوار کو سنبھالے رہتا ہے۔ بادبان پھیلانا کیا ہے؟ یہی کہ ہم
سادہ طور سے اپنی حالت کو خدا کے سامنے کھول کے رکھ دیں۔ تاکہ اُسکی
روح اُسے حرکت دے۔ پتوار سنبھالنا کیا ہے؟ یہی کہ اپنے دل کو راہ راست

سے گمراہ ہونے سے روکتے رہیں۔ اور اگر کبھی بھٹکنے لگے تو اُسے بڑی نرمی سے واپس بلائیں۔ اور خدا کی رُوح کی ہدایت کے مطابق اُس کی رہنمائی کریں۔ جو رفتہ رفتہ دل پر پورا قابو حاصل کر لیتا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ ہوا دھیرے دھیرے بادبانوں کو بھر دیتی اور اُن کے زور سے جہاز کو چلاتی ہے۔ جب تک کہ ہوا ٹھیک رُخ سے چلتی ہے تو ملاّح اور ناخدا محنت سے فارغ رہتے اور آرام کرتے ہیں۔ اور اب وہ بلا اپنے بازوؤں کو تھکانے کے کس قدر فاصلہ طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اس وقت خود آرام کی حالت میں ہو کر اور جہاز کو ہوا کے حوالے کر کے ایک گھنٹے میں اُس سے کہیں زیادہ سفر طے کر لیتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے سارے زور و قوت سے گھنٹوں تک محنت کرتے۔ اور اس وقت اگر وہ چپّو چلانا بھی شروع کریں تو وہ نہ صرف اپنے جسموں کو بے فائدہ تھکائینگے۔ بلکہ اُلٹا جہاز کی رفتار کو روکینگے ✤

اور یہی طریق ہے جو ہم کو اس باطنی زندگی میں اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ہم اس طور پر چلینگے تو ہم تھوڑے عرصے میں الٰہی تحریک کے ذریعے کہیں زیادہ ترقی کرینگے بہ نسبت اس کے کہ کسی اور طریق سے بہت سا جدو جہد کیا کریں۔ کاش کہ لوگ اس طریق کو آزماتے کیونکہ یہہ دنیا میں سب طریقوں سے آسان طریق ہے ✤

جب ہوا مخالف ہوتی ہے اور طوفان برپا ہوتا ہے تو اُس وقت ضروری ہوتا ہے کہ جہاز کو ٹھیرانے کے لئے گہرے سمندر میں لنگر ڈال دیا جائے۔ یہ لنگر خدا کا توکّل اور اُس کی مہربانی پر بھروسا کرنا ہے۔ تاکہ صبر سے طوفان کے دُور ہونے کا انتظار کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت داؤد بھی فرماتے

ہیں کہ "میں نے بڑے صبر سے خدا کا انتظار کیا اور وہ آخر کار میری طرف متوجہ ہوا" (زبور ۴۰: ۱) - اس لئے ہم کو چاہیے کہ ہم اپنے کو روح الٰہی پر چھوڑ دیں تاکہ وہی ہماری ساری تحریکوں کی رہنمائی کرے +

تیئسویں فصل

۱ و ۲ - منادی کا بیفائدہ ہونا - تمام بدیاں غلطیاں اور بدعتیں اور سب طرح کی خرابیاں اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگوں کو دل کی دُعا کی ہدایت نہیں کی جاتی -

۳ و ۴ و ۵ - حالانکہ یہ طریق سادہ سے سادہ اشخاص کے لئے بھی نہایت یقینی اور مناسب ہے اور نہایت آسان بھی ہے -

۶ و ۷ و ۸ - پاسبانوں کو نصیحت کہ لوگوں کو اسی امر کی طرف متوجہ کریں اور اُنہیں بعض زبانی دُعاؤں اور رسمی محبت پر نہ ٹھیرائے رکھیں +

اگر سب لوگ جو انسانوں کو بچانے کے لئے محنت کرتے ہیں اس امر کی سعی کرتے کہ پہلے اُن کے دلوں کو اپنے قبضے میں لائیں - اس طرح کہ سب سے پہلے اُنہیں دُعا اور باطنی زندگی کی طرف متوجہ کرتے تو اس طور سے وہ بیشمار لوگوں میں مستقل طور سے دلی تبدیلی پیدا کرنے کے باعث ہوتے - لیکن جب تک وہ فقط بیرونی باتوں پر زور دینگے اور بجائے اسکے کہ یسوع مسیح کے نام سے اُن کے دلوں پر قبضہ کرکے اُنہیں اُس کی طرف کھینچ لیں وہ اُلٹا اُن پر ہزارہا بیرونی ہدایتوں اور ریاضتوں کا بوجھ لادتے جائینگے تو اس طریق سے بہت کم ثمر حاصل ہوگا اور یہ بھی دیر تک نہیں رہیگا +

اگر خادمانِ دین اپنے منقتدیوں کو بڑی سرگرمی سے اس طریق پر تعلیم دیتے تو گلہ بان بھی اپنی بھیڑوں کی رکھوالی کرتے ہوئے سچ مچ ابتدائی مسیحیوں کی رُوح سے معمور ہو جاتے اور ہل جوتنے والا ہل چلاتے وقت بھی خدا کے ساتھ گہری رفاقت رکھ سکتا۔ اور مزدور اور دوکاندار محنت کے ذریعے سے بھی ابدی اثمار حاصل کر سکتا۔ اس طور سے شرارت تھوڑے ہی عرصے میں شہر بدر ہو جاتی اور ساری جماعتیں روحانی بن جاتیں ۔

کیونکہ جب ایک بار دل قابو میں آجاتا ہے تو باقی سب باتیں خودبخود درست ہو جاتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا خاص کر دل طلب کرتا ہے اور صرف اسی طریق سے شراب خواری۔ کفر گوئی۔ بدچلنی۔ عداوت۔ چوری اور اَور سب طرح کی شرارتیں جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں دور و دفع ہو سکتی ہیں۔ تاکہ مسیح امن و اطمینان سے سب پر حکومت کرے اور اُسکی کلیسیا پھر از سرِ نو ہر مقام میں تر و تازہ ہو جائے۔ دُنیا میں بدعتیں اسی باطنی زندگی کے کھو جانے سے داخل ہوتی ہیں۔ اگر یہ پھر بحال ہو جائے تو یہ غلطیاں فی الفور رفع ہو جائینگی۔ غلطیاں اسی ایمان اور دُعا کی عدم موجودگی سے نفسِ انسانی پر قابو پا لیتی ہیں۔ اگر ہم اپنے گمراہ بھائیوں کو یہ سکھلاتے کہ وہ سادہ طور سے ایمان لائیں اور دُعا مانگیں بجائے اسکے کہ اُن کے ساتھ زور شور سے بحث و مباحثہ کرتے تو ہم بڑی آسانی سے اُن کو خدا کے پاس واپس لا سکتے ۔

ہائے۔ اس سادہ ہدایت کو نظر انداز کرنے سے کتنا بے اندازہ نقصان ہو رہا ہے! ہائے وہ لوگ جن کے سپرد ارواح کی نگرانی ہے خدا کو اس بارے میں کیا جواب دینگے کہ اُنہوں نے اس پوشیدہ خزانے کو

اُن سب پر جن کو وہ کلام الٰہی پہنچاتے تھے ظاہر نہ کر دیا *
وہ اپنے بچاؤ کے لئے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اس طریق میں خوف و
خطر ہے یا یہ کہ سیدھے سادے لوگ روحانی امور کے سمجھنے کی قابلیت
نہیں رکھتے۔ مگر خود وہ جو سچائی کا منبع ہے ہمیں اس کے خلاف یقین
دلاتا ہے کہ "وہ اُن سے الفت رکھتا ہے جو سادگی سے چلتے ہیں"
(امثال ۱۲: ۲۲)[ل] بھلا اُس اکیلے راستے میں جو خود یسوع مسیح ہے
چلتے ہیں اور اپنے آپ کو کلّیتہً اُس کے سپرد کر دینے اور ہمیشہ اُسی کی
طرف تکتے رہنے اور اُسی کے فضل و توفیق پر پورا اعتماد رکھنے اور اپنے
سارے دل سے اُسی کی پاک محبت کی جستجو کرنے میں کیا خوف و خطر
ہو سکتا ہے ؟

نہ صرف یہ امر غلط ہے کہ سادہ مزاج لوگ اس قابلیت سے بے بہرہ
ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہی لوگ ہیں جو سب سے زیادہ اس کی قابلیت
رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ زیادہ فروتن اور گناہ سے خالی ہوتے ہیں اور زیادہ
آسانی سے تعلیم کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس لئے کہ وہ بحث و حجت کے
عادی نہیں ہوتے اپنی اپنی رائے پر ایسی سختی سے ہٹ نہیں کرتے
اور اس کے علاوہ چونکہ وہ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں وہ زیادہ آسانی
سے اپنے کو رُوح الٰہی کی تحریکوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے
لوگ جو اپنے ہی خیالات میں غرق اور اپنی رایوں کے پابند ہوتے ہیں
الٰہی الہام و تحریک کا بہت کچھ مقابلہ کرتے ہیں۔ اس طرح خدا ہم پر ظاہر
کرتا ہے کہ وہ اپنی شریعت کا فہم چھوٹے بچوں کو عطا کرتا ہے۔ حضرت

[ل] اُردو ترجمہ۔ وہ جو راستی سے کام رکھتے ہیں اُس کی خوشی ہیں *

داؤد فرماتے ہیں کہ " تیرے کلام کے دخل پانے سے نور ملتا ہے اور وہ سادہ لوگوں کو فہم عطا کرتا ہے۔ (زبور ۱۱۹: ۱۳۰)۔ وہ ہمیں یہ یقین بھی دلاتا ہے کہ وہ سادہ لوگوں سے گفتگو کرنا پسند کرتا ہے۔ (امثال ۳: ۳۲)[ل] خداوند سادہ لوگوں کا نگہبان ہے۔ میں عاجز ہو گیا تھا اُس نے مجھے بچا لیا (زبور ۱۱۶: ۶)۔ اس لئے روحوں کے نگہبانوں کو خبردار رہنا چاہیئے کہ وہ چھوٹے بچوں کو مسیح کے پاس آنے سے نہ روکیں۔ کیونکہ اُس نے خود اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ " بچوں کو میرے پاس آنے دو اور اُنہیں منع نہ کرو۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت ایسوں ہی کی ہے "۔ (متی ۱۹: ۱۴)۔ یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں سے یہ الفاظ اس لئے کہے تھے کہ وہ بچوں کو اُس کے پاس آنے سے روکتے تھے *

اکثر اوقات خادم الدین جسم کے علاج کے درپے ہوتے ہیں۔ حالانکہ بیماری دل کو لگی ہوئی ہے اس امر کی کہ لوگوں کو اصلاح و درستی کرنے میں اُن کی کامیابی ایسی تھوڑی اور نا دیرپا ہوتی ہے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ کام بیرونی پہلو سے شروع کرتے ہیں۔ اگر وہ پہلے ہی سے اُنہیں باطنی زندگی کی کُنجی دیدیتے تو بیرونی افعال کی اصلاح خود بخود ہو جاتی۔ اب یہ امر بالکل آسان ہے کہ اُنہیں یہ سکھایا جائے کہ اپنے دلوں میں خدا کو ڈھونڈیں۔ اُس پر سوچ بچار کریں۔ اور جب کبھی پراگندہ خاطر ہوں تو وہیں اُس کے پاس لوٹ جائیں۔ اور جو کچھ کریں اُسی کو خوش کرنے کی غرض سے کریں۔ اسی کا نام ہے اُن کو سارے نیکی کے سرچشمے کے پاس لے جانا اور اُن کو یہ دکھا دینا کہ وہ تمام جو اُنکی

[ل] اُردو ترجمہ۔ پر اُس کا راز مستقیم لوگوں کے پاس ہے *

تسلّی و تشفّی کے لئے ضروری ہے کہاں مل سکتا ہے*

میں آپ سب سے جو ارواحِ انسانی کی خدمت میں سرگرم ہو التماس کرتا ہوں کہ آپ اُنہیں فی الفور اس راستے پر چلنے کی ہدایت کریں کیونکہ یہ طریق خود یسوع مسیح ہے - اور وہ بھی اپنے سارے خون کا جو اُس نے ان ارواح کی خاطر بہا دیا جو تمہارے سپرد ہیں واسطہ دیکر تم سے یہی التجا کرتا ہے "اے لوگو - جو اُس کی رحمتوں کو لوگوں تک پہنچاتے ہو - اور اُس کے کلام کی منادی کرتے ہو اور ساکرامنٹوں کو ادا کرتے ہو - یروشلم کے دل سے گفتگو کرو" (یسعیاہ ۴۰ : ۲) - اُس کی سلطنت کو قائم کرو - اور اس لئے کہ وہ درحقیقت قائم ہو جائے - اُس کو ان کے دلوں پر تسلّط پانے دو - کیونکہ اس لئے کہ یہ صرف دل ہی ہے جو اُس کی سلطنت کی مخالفت کرسکتا ہے - تو اُس کے کامل طور پر مطیع کرنے سے ہی اُسکی بادشاہت عزّت و وقار کے ساتھ قائم ہو سکتی ہے " خدا کی قدوسیت کی تمجید کرو اور وہ تمہارا تقدّس بن جائیگا " (یسعیاہ ۸ : ۱۳) - اپنے لوگوں کو سکھاؤ کہ کس طرح دُعا مانگنی چاہئے - نہ دعا کی کتابوں کے پڑھنے سے (کیونکہ سادہ لوگ اُن کا مطلب نہیں سمجھ سکتے) بلکہ دل سے دعا مانگنے سے نہ سر سے - ایسی دعا جو خدا کی رُوح سکھاتی ہے - نہ وہ جو آدمی کی ایجاد ہے*

افسوس - آدمی بنا بنا کے دُعا مانگتے رہتے ہیں - اور جبکہ وہ اُنکے الفاظ کی درستی میں مصروف ہوتے ہیں وہ اُنہیں بالکل بے معنی اور بیکار کردیتے ہیں - اُنہوں نے بچّوں کو ایسے باپ سے جو سب سے بہتر ہے اجنبی بنا دیا ہے کیونکہ وہ اُنہیں اُس کے حضور ایسی زبان استعمال

کرنا سکھاتے ہیں جو نہایت ہی پُرتکلّف ہے۔ اے بیچارے بچّو۔ جاؤ اور اپنے آسمانی باپ کے حضور اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں گفتگو کرو۔ تمہاری زبان خواہ کیسی ہی شکستہ اور وحشیانہ کیوں نہ ہو۔ مگر اُس کو وہ ایسی معلوم نہ دیگی۔ باپ ایسی گفتگو سُننی زیادہ تر پسند کرتا ہے جو ادب و محبت کے سبب بے ترتیب اور نادرست ہو جائے (کیونکہ اُس کی نظر تو دل پر ہے جس میں سے وہ نکلتی ہے)۔ نہ ایسی تقریر جو کیسی ہی فصیح کیوں نہ ہو مگر اصل میں خشک۔ خالی اور بنجر ہے۔ آہ۔ دل کی اُلفت و محبت کی نظر میں اُسے کیسی خوش آتی ہیں! یہ نظریں تمام زبانوں اور دلیلوں سے بڑھکر دل کے مطلب کو ظاہر کرتی ہیں ❖

انسان یہ تعلیم دیتے ہوئے کہ معشوق کو کس طرح قاعدہ اور دستور کے مطابق پیار کرنا چاہئے۔ بڑی حد تک خود محبت کو بھی کھو بیٹھے ہیں۔ آہ۔ محبّت کے فن سیکھنے کی کسے ضرورت پڑی ہے۔ محبّت کی زبان اُس شخص کو جو محبّت سے ناآشنا ہے وحشیانہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر جسکے دل میں عشق نے گھر کیا ہے اُس کی زبان سے بلاتکلّف اور طبعی طور پر محبت کے یہ کلمات نکلتے ہیں۔ اور اُس کی محبت کے طریق سیکھنے کا سب سے عمدہ طریق یہی ہے کہ اُس سے محبّت کرنی شروع کر دیں۔ اس طریق پر کاربند ہونے سے سب سے زیادہ غبی سب سے زیادہ ہشیار و ذہین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اَوروں کی نسبت زیادہ سادگی اور دلدہی سے کام لیتا ہے۔ خدا کی رُوح کو ہمارے قواعد کی کچھ حاجت نہیں۔ وہ جب چاہتا ہے گڈریوں کو پکڑ کر نبی بنا دیتا ہے۔ اور نہ صرف وہ کسی کے مُنہ پر اپنی دُعا کے محل کا دروازہ کبھی بند نہیں کرتا۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔

بلکہ برخلاف اس کے وہ اُس کے تمام دروازوں کو ہمیشہ سب کے لئے چوپٹ کھُلا رکھتا ہے۔ اور حکمت عام راستوں پر پُکارتی رہتی ہے کہ "جو کوئی سادہ دل ہے وہ میرے پاس چلا آئے"۔ (امثال ۹: ۴)۔ اور وہ اُنہیں جو بے سمجھ ہیں کہتی ہے "آؤ۔ اور اُس روٹی کو جو میں تمہیں دیتی ہوں کھاؤ۔ اور جو شراب میں نے تمہارے لئے تیار کی ہے پیو"۔ (امثال ۹: ۵)۔ کیا یسوع مسیح بھی اپنے آسمانی باپ کا اس لئے شکر نہیں کرتا کہ اُس نے اپنے بھید داناؤں سے چھپا رکھے ہیں۔ اور اُنہیں ننھے بچوں پر ظاہر کر دیا ہے۔ (متی ۱۱: ۲۵) ✦

چوبیسویں فصل

جو طریق اس سے پہلے بیان کئے گئے ہیں اُن کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اب موزونیت کا ایک راستہ باقی ہے جو کامل الٰہی اتحاد کے لئے تیار کرتا ہے۔ اور جو اُن راستوں سے جن کا ذکر ہوا زیادہ بے حرکت ہوتا ہے جس میں کہ الٰہی حکمت وعدل روح کو اندر بلا اُس کو حرکت کئے صفائی و درستی کرتی ہے اور روح اس میں صرف اس قدر حصّہ لیتی ہے کہ وہ اپنے کو بالکل حرکت سے باز رکھتی ہے۔ اور اس طور سے وہ بالکل رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتی اور آخرکار اُس سے وصل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اُس کی زندگی خدا کے ساتھ ایک ہو جاتی ہے اور آئندہ کو اُسی کے مطابق چال چلتی ہے۔ یہ تمام باتیں ایک دوسرے رسالے میں جس کا نام رسالہ انہار روحانی ہے بیان ہوئی ہیں ✦

الٰہی اتحاد فقط تفکّر و استغراق کے ذریعے سے اور نہ فقط اُلفت و محبت کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور نہ ایسی دعا کے ذریعے سے جو بالکل شفاف اور صاف طور سے بوجھی گئی ہو۔ اسکے کئی وجوہ ہیں۔ یہاں ہم بعض بڑے بڑے وجوہات کا ذکر کرینگے *

اول کُتب مقدّسہ کے مطابق یہ ظاہر ہے کہ "کوئی آدمی خدا کو نہیں دیکھیگا جب تک کہ وہ زندہ ہے۔ (خروج ۳۳ : ۲۰) - اب دعا کی تمام ریاضتیں یا تمام تفکّرات (اگر اُنہیں عزل حرکت پیدا کرنے کے لئے ذریعہ نہیں بلکہ اصل مقصد سمجھا جاوے) زندہ ریاضتیں ہیں اس لئے اُن کے ذریعہ سے ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ یا دوسرے الفاظ میں اُس کے ساتھ وصل نہیں ہو سکتے۔ یہ ضروری ہے کہ جو کچھ آدمی کا ہے یا اُس کی محنت سے پیدا ہوا ہے۔ خواہ وہ کیسی اعلےٰ شرافت کیوں نہ رکھتا ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ سب مرجاوے۔ مقدّس یوحنّا لکھتا ہے کہ "آسمان میں بڑی خاموشی ہوئی"۔ (مکاشفہ ۸ : ۱) - آسمان سے مراد ہے نفس کی بنیاد اور مرکز۔ جہاں بالکل خاموشی ہونی چاہئے۔ تب حضرت باریتعالیٰ اس میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور ہماری انانیت (خودی) کی تمام کوششیں اور ہماری تمام خودی اور خود پسندی کا خاتمہ ہو جانا چاہئے کیونکہ کوئی چیز ایسی خدا کی مخالف نہیں ہے جیسے ہماری انانیت۔ اور آدمی کی ساری شرارت بھی اسی انانیت میں منجمد ہے۔ کیونکہ وہی اُس کا منبع ہے۔ اس لئے جس قدر کوئی نفس اس سے خالی ہوتا ہے اُسی قدر پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور جو چیزیں اُس نفس کی جو اپنے ہی لئے جیتا ہے نقص سمجھی جاتی تھیں اب ایسی نہیں سمجھی جاتیں (اس وجہ سے کہ اب اُس میں

پاکیزگی اور عصمت پیدا ہوگئی ہے) کیونکہ اُس نے اُس انانیت کو جس نے خدا میں اور اُس میں جُدائی پیدا کر رکھی تھی کھو دیا ہے ٭

ثانیاً۔ دو ایسی مختلف چیزوں کو باہم ملانے کے لئے جیسے کہ خدا کی پاکی اور انسان کی ناپاکی۔ خدا کی وحدت اور انسان کی کثرت۔ یہ ضرور ہے کہ فقط خدا ہی اپنا عمل کرے۔ کیونکہ یہ امر فقط مخلوق کی کوششوں سے کبھی سرانجام نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ دو چیزیں جن میں باہم اتحاد اور اتفاق نہ ہو کبھی ایک دوسری کے ساتھ وصل نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً ایک ملاوٹ والی دھات بھی سونے کے ساتھ جو بالکل خالص ہے ملائی نہیں جاسکتی ٭

تو خدا ایسی صورت میں کیا کرتا ہے؟ وہ اپنے آگے آگے اپنی حکمت کو بھیجتا ہے ویسے ہی جیسے آگ زمین پر بھیجی جائیگی تاکہ اُس میں کی ہر ایک چیز کو جو ناپاک ہے جلا ڈالے۔ آگ سب چیزوں کو جلا ڈالتی ہے اور کوئی چیز اُسے روک نہیں سکتی۔ اور یہی حال حکمت الٰہی کا ہے وہ مخلوق میں کی ہر ایک ناپاکی کو جلا ڈالتی ہے۔ تاکہ اُسے الٰہی اتحاد کے لئے تیار کرے ٭

یہ ناپاکی جو الٰہی اتحاد کی ایسی مخالف ہے انسان کی انانیت اور خودی ہے۔ خودی اس لئے کہ وہ تمام ناپاکی کا منبع ہے جو کبھی اُس سے جو پاکیزگی مجسّم ہے جمع نہیں ہوسکتی۔ جیسے کہ سورج کی شعاعیں کیچڑ وغیرہ کو چھو تو سکتی ہیں مگر اُس سے متّحد نہیں ہوسکتیں۔ خودی اس لئے کہ خدا جو لامحدود آنند یا امن ہے۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ وہ نفس جو اس سے اتحاد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ بھی اس کے اس امن اور آنند میں حصّہ لے۔ اور اس کے سوائے وہ کبھی اُس سے اتّحاد حاصل نہیں

کرسکتا۔ کیونکہ دو چیزوں کے اتحاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نسبتہً آرام سے ہوں ۔

اور یہی وجہ ہے کہ نفس کبھی الٰہی اتحاد کو حاصل نہیں کرسکتا مگر اپنی مرضی کو آرام و اطمینان دینے سے ۔ اور وہ کبھی خدا سے متحد نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس آرام و آنند کی مرکزی حالت کو حاصل کرلیتا اور اپنی خلقی پاکیزگی کی حالت میں ہوتا ہے ۔

نفس کو پاک صاف کرنے کے لئے خدا حکمت کو استعمال کرتا ہے۔ جیسے کہ سونے کو صاف کرنے کے لئے آگ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ واقعی امر ہے کہ سونا کبھی صاف نہیں ہوسکتا مگر آگ سے ۔ جو آہستہ آہستہ ہر ایک چیز کو جو زمینی ہوتی اور اُس کی اصلی طبیعت سے تعلّق نہیں رکھتی جلادیتی ہے ۔ اور اُسے سونے سے الگ کردیتی ہے پیشتر اس کے کہ سُنار سونے کو استعمال کرے یہی ضرور نہیں کہ مٹی سونے میں بدل جاے بلکہ یہ بھی کہ آگ اُسے پگھلا کر پانی پانی کردے تاکہ اُس کے اندر جو کچھ غیر یا زمینی قسم کا ہے نکال دے ۔ اور یہ سونا بار بار آگ میں ڈالا جاتا ہے جب تک کہ اُس کا سارا میل دُور نہ ہوجاے اور وہ ہر ایک طرح کے غل و غش سے پاک نہ ہوجاے ۔

جب سُنار اُس میں کسی قسم کی میل نہیں پاتا ۔ اس لئے کہ وہ اپنی اصلی پاکیزگی کی حالت کو پہنچ گیا ہے ۔ تو آگ بھی اُس پر کچھ کام نہیں کرتی۔ اور اگر اُسے صدی بھر بھی وہاں رکھے رہو تو اس سے اور زیادہ صاف ہو نہیں سکتا ۔ اور نہ اُس کے وزن میں کسی قسم کا فرق آتا ہے ۔ تب وہ نہایت اعلےٰ درجے کی چیزیں بنانے کے کام آتا ہے ۔ اور اگر سونا بعد ازاں

کسی طرح کی ملاوٹ ملنے سے ناپاک ہو جائے تو یہ ملاوٹ غیر جنس اشیا سے میل جول رکھنے کے سبب سے پیدا ہوگی۔ مگر اس میں صرف یہ فرق ہوگا کہ اس قسم کی غلاظت صرف بیرونی ہوگی اور اُس کو ناکارہ نہیں بنا دیگی۔ مگر پہلی قسم کی ملاوٹ خود اُس کے اندر داخل ہو رہی تھی اور اُس کی طبیعت میں مخلوط تھی۔ تاہم دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خالص سونے کی ڈلی کو کیچڑ میں لتھڑا دیکھکر پھینک دینگے۔ مگر ناخالص سونا اگر باہر سے صیقل کیا ہوا ہو تو اُس کی زیادہ قدر کرینگے ٭

اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو سونا ابھی پورے طور پر خالص نہیں ہوا۔ بہتر قسم کے سونے کے ساتھ ملایا نہیں جا سکتا۔ بلکہ یہ ضرور ہوگا کہ یا تو ایک دوسرے کی طرح غلیظ ہو جائے۔ یا دوسرا پہلے کی طرح زیادہ خالص ہو جائے۔ سُنار کبھی خالص سونے کو ناخالص سونے سے ملانے کی کوشش نہیں کرتا۔ تو اس صورت میں وہ کیا کریگا؟ وہ سونے کی تمام زمینی آمیزشوں کو آگ کے ذریعے نکال ڈالیگا تاکہ وہ اُسے دوسرے خالص سونے کے ساتھ ملا سکے۔ اور یہی امر ہے جس کی طرف پولوس رسول اشارہ کرتا ہے کہ "ہمارے کام آگ سے آزمائے جائینگے۔ تاکہ جو جلنے کے قابل ہے جل جائے"۔ (۱۔ کرنتھیوں ۳: ۱۳ و ۱۵)۔ وہ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ وہ کام جو آگ کا ایندھن بننے کے لائق ہونگے جل جائینگے۔ اگرچہ وہ خود (یعنی کام کرنے والا) بچ جائیگا۔ مگر ایسا گویا کہ آگ سے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ بعض ایسے کام ہیں جو مقبول و پسند ہیں۔ مگر اس غرض سے کہ وہ بھی جس نے انہیں کیا ہے پاک صاف ہو یہ ضرور ہے کہ وہ آگ میں سے گزارے جائیں تاکہ اُن میں سے انانیت و خودی نکال دی جائے

اور انہیں معنوں میں یہ کہا گیا ہے کہ "خدا ہماری راستبازی پر حکم کریگا" (زبور ۷۷: ۲) اس لئے کہ آدمی شریعت کے کاموں سے کبھی پاک نہیں ٹھیریگا بلکہ ایمان کی راستبازی سے جو خدا سے حاصل ہوتی ہے (رومیوں ۳: ۲۰ و ۲۲) اس تمثیل کو چھوڑ کر میں کہتا ہوں کہ اس غرض سے کہ آدمی اپنے خدا سے متحد ہو یہ ضرور ہے کہ اُس کی حکمت الٰہی عدل کے ہمراہ جلانے والی اور بیرحم آگ کی صورت میں ہماری تمام زمینی نفسانی اور خودپسند انانیت کی بیخ کنی کر ڈالے۔ تاکہ نفس کو ان سب چیزوں سے پاک صاف کر کے اُسے اُسکے ساتھ وصل کر دے۔

اور یہ امر مخلوق کی محنت ومشقت سے کبھی سرانجام نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے مخلوق رنج وغم کے ساتھ اس کی برداشت کرتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے۔ آدمی اپنی انانیت سے ایسی محبت رکھتا ہے اور اُس کے ضائع ہونے سے اس قدر خائف ہے کہ اگر خدا اس کام کو خود بخود اور اپنے اختیار کے ساتھ انجام نہ دیتا تو آدمی کبھی اُس پر رضامند نہ ہوتا۔

اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ خدا انسان سے اُس کی آزادی کبھی نہیں لیتا۔ اور اس لئے وہ ہمیشہ خدا کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مجھے یہ ہرگز نہیں کہنا چاہیئے کہ خدا فقط اپنے شاہی اختیار سے انسان کی رضامندی کے بغیر کام لیتا ہے۔ یہ دکھانے کو کہ ایسا ہو سکتا ہے اور کہ اس کے ساتھ انسان کی آزادی اور خود مختاری بھی قائم رہتی ہے میں اپنے قول کی تشریح کر دیتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ ارادے کی آزادی میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر انسان چاہے تو اپنے ارادے کو دوسرے

کے تابع کردے۔ اور اس لئے جب انسان اپنی مرضی کو رضائے الٰہی کے تسلیم کردیتا ہے تو وہ اپنی اسی آزادی و خود مختاری سے کام لیتا ہے۔ اس لئے یہ کافی ہے کہ آدمی اپنی رضامندی ظاہر کرکے اپنے کو خدا کے حوالہ کردے۔ اور اس طور سے جب انسان مسیحی زندگی کے شروع میں اپنے کو خدا کے سپرد کردیتا ہے کہ خدا جس طرح چاہے اُس کے ساتھ اور اُس کے اندر کام کرے تو وہ گویا ہر ایک کام سے جو خدا اُس میں کرنا چاہے رضامند ہے۔ لیکن جب خدا تباہ و برباد کرتا اور جلاتا اور صاف کرتا ہے تو نفس اُس فائدے کو جو اُس سے مترتب ہوتا ہے نہیں دیکھتا بلکہ اسکے خلاف یقین کرنے لگتا ہے۔ اور جس طرح کہ آگ پہلے سونے کو غلیظ کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اسی طرح خدا کا یہ عمل بھی نفس کی پاکیزگی کو لیجاتا ہوا معلوم دیتا ہے۔ اس لئے اگر اس وقت ایک صاف وصریح رضامندی ضروری ہوتی تو نفس کو اُس کے دینے میں مشکل پیش آتی۔ اور اکثر اوقات وہ اُس کے دینے سے بھی انکاری ہو جاتا۔ جو کچھ نفس کے لئے کرنا ضروری ہے وہ صرف یہ ہے کہ اپنے کو رضائے الٰہی پر چھوڑ دے۔ اور جس طرح ہو سکے اُس کے اس عمل کی برداشت کرے جسے وہ نہ تو روک سکتا اور نہ اُسے روکنا چاہے ٭

اس لئے خدا اس طور سے نفس کو اُس کے اپنے اعمال سے جو وہ ظاہری طور پر خود آگاہی کے ساتھ کرتا ہے اور جو ہمیں خدا سے جدا کرتے رہتے ہیں پاک صاف کردیتا ہے۔ اور بتدریج اُسے اپنی مرضی کے موافق بناتا اور پھر اپنے ساتھ ایک کرلیتا ہے۔ وہ مخلوق کی اس تسلیم و رضا کی قابلیت کو ایک پوشیدہ اور نہ معلوم طریق سے وسعت و شرافت بخشتا ہے۔

اسی لئے اس کو طریق سری کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے مگر یہ ضروری ہے
کہ ان تمام عملوں کے وقت نفس انسانی بلا روک ٹوک کے اپنے کو رضائے
الٰہی کے حوالے کئے رہے۔ یہ تو سچ ہے کہ شروع شروع میں پیشتر اسکے
کہ وہ اس درجے کو حاصل کرے اُسے خود حرکت کرنی چاہئے۔ مگر اس کے
بعد جوں جوں الٰہی عمل زیادہ طاقتور ہوتا جاوے نفس کو ضروری ہے کہ وہ
رفتہ رفتہ اپنے کو مطیع بالکل مرضی الٰہی کے تابع کردے یہاں تک کہ اُس
میں بالکل غرق ہو جاوے۔ مگر اس حالت تک پہنچنے کے لئے عرصہ چاہئے۔
اس لئے ہم یہ نہیں کہتے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ کہ عمل کی حالت
میں سے گزرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے ہمارے نزدیک
تو یہ عمل ہی اس کا دروازہ ہے۔ مگر یہ ضرور کہینگے کہ آدمی کو ہمیشہ دروازے
پر ہی نہیں ٹھہرے رہنا چاہئے بلکہ اُس کو مناسب ہے کہ کاملیت کو اپنی
ہستی کا اعلےٰ مقصد سمجھے۔ اور وہ کبھی اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا جب
تک کہ پہلے امداد و وسائل کو ترک نہ کردے۔ جو اگرچہ اُس کو اس طریق میں
داخل کرنے کے لئے ضروری تھے تو بھی اس حالت میں اُس کی ترقی میں
روک پیدا کرنے کا باعث ہونگے اور اگر وہ اس پر ہٹ کرے تو اُسے
بلا شُبہ اعلےٰ مقصد کے حصول سے باز رکھینگے۔ مقدس پولوس نے بھی
یہی کہا چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "میں اُسے جو پیچھے ہے چھوڑ کر آگے بڑھنے
کی کوشش کرتا ہوں تا کہ میں اپنی دوڑ کو تمام کر سکوں (فلپیوں ۳: ۱۴)"۔
اگر کوئی آدمی لمبا سفر اختیار کرے مگر پہلے ہی سرائے میں جا کر مقام
کردے کیونکہ اُسے یقینی طور پر بتایا گیا ہے کہ بہت لوگ اُسی راستے سے
گزُرے ہیں اور بعض وہیں ٹھہرے رہے ہیں۔ اور گھر کا مالک بھی وہیں

رہتا ہے۔ تو کیا لوگ ایسے شخص کو احمق نہیں کہینگے؟ اس لئے جو کچھ ہم ایسے آدمیوں سے جو ترقّی کی راہ پر چل رہے ہیں اُمّید کرتے ہیں سو یہ ہے کہ وہ اپنے انجام کی طرف بڑھے چلے جائیں۔ اور وہاں تک پہنچنے کے لئے زیادہ مختصر اور آسان تر راستہ اختیار کریں۔ وہ پہلی ہی منزل پر مقام نہ کر دیں۔ بلکہ مقدّس پولوس کی صلاح پر چلیں اور توفیق الٰہی کو اپنا کام کرنے دیں جو ضرور اُنہیں اُس انجام تک جس کے لئے وہ خلق کئے گئے تھے پہنچائیگا۔ اور یہ انجام خدا کا حظّ اُٹھانا ہے۔

کوئی شخص اس سے جاہل نہیں کہ خیر اعلےٰ خود خدا کی ذات ہے۔ اور حقیقی برکت وسلامتی خدا کے ساتھ اتحاد پیدا ہونے میں ہے۔ اور مقدّسوں کے جلال و بزرگی کی کمی بیشی اسی اتحاد کی کم و بیش کاملیت پر موقوف ہے اور یہ اتحاد ہماری اپنی کوششوں سے رُوح کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا اپنے کو رُوح کے حوالے نہیں کر سکتا مگر اُسی نسبت سے جس نسبت سے کہ اُس میں اُس کی قبولیت کی قابلیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے سوا کسی آدمی کو خدا سے اتحاد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اتحاد چونکہ بجائے خود برکت ہی ہے اس لئے جس طریق سے ہم اُس تک پہنچ سکتے ہیں وہ کبھی بُرا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ برخلاف اس کے اُسے دوسرے طریقوں پر ترجیح دینی چاہیے اور اُس پر چلنے میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں۔

یہ راستہ کسی طرح سے خطرناک نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیا یسوع مسیح اِسے سب راستوں سے زیادہ کامل اور نہایت ضروری ٹھیراتا؟ سب لوگ اس پر چل سکتے ہیں۔ اور چونکہ سب کو برکت پانے کی دعوت دی گئی ہے سبھی اس لئے بُلائے گئے ہیں کہ اس اور آئندہ دونوں زندگیوں

ں خدا کے وصل سے محظوظ ہوں۔ کیونکہ خدا کا وصل ہی ہمارے لئے حقیقی برکت
ہے۔ خدا کے وصل کا حظ۔ نہ کہ اُس کی نعمتوں کا حظ۔ کیونکہ یہ نعمتیں ہماری حقیقی
برکت نہیں ہو سکتیں اور نہ ہماری رُوح کو ان سے پوری سیری ہو سکتی ہے۔
کیونکہ رُوح کو شرافت و عظمت کا وہ درجہ حاصل ہے کہ خدا کی اعلےٰ سے اعلےٰ
نعمتیں بھی اُسے خوش و خرم نہیں کر سکتیں جب تک کہ خود خدا ہی اپنے آپ کو
اُسے نہ دے ڈالے۔ اب خدا کی ساری خوشی یہی ہے کہ اپنے کو اپنے مخلوق کو
اُسکی قابلیت کے مطابق جو اُس نے اُس میں رکھی ہے دے ڈالے۔ مگر باوجود
اس کے انسان اپنے کو خدا کے حوالے کرنے سے ڈرتا ہے! ہاں وہ اُسے اپنے
قبضے میں لانے سے ڈرتا ہے اور اس لئے اپنے کو الٰہی وصل و اتحاد کے لئے تیار نہیں کرتا۔
بعض کہتے ہیں کہ کسی شخص کو نہ چاہئے کہ خود بخود اپنے کو اس الٰہی اتحاد میں متحد کرے
ں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ مگر میں یہ بھی کہونگا کہ کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ ایسا
سکے۔ کیونکہ دُنیا بھر میں کوئی بھی مخلوق ایسا نہیں جسے یہ طاقت حاصل ہے کہ
اپنی ہی سعی و کوشش سے اپنے کو خدا کے ساتھ وصل کر دے۔ بلکہ یہ خدا
ہی کو طاقت ہے کہ اُنہیں اپنے سے وصل ہونے دے۔ اس لئے اگر کوئی شخص
اپنی مرضی سے خدا سے متّحد نہیں ہو سکتا تو ایسے لوگوں کے خلاف آواز بلند کرنا
جو ایسا کرتے ہیں فضول ہے۔

شاید وہ کہیں کہ بعض ایسے ہیں جو جھوٹ موٹ ایسا کرنے کے دعویدار ہیں۔
مگر میں کہتا ہوں کہ اس امر میں بناوٹ ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ جو آدمی بھوک سے مر رہا ہو
بھلا کب تک جھوٹ موٹ یہ دکھا سکتا ہے کہ وہ تو بالکل سیر ہو رہا ہے۔ ان سے ہمیشہ
کوئی نہ کوئی ایسی آرزو و خواہش ظاہر ہوتی رہیگی جس سے فوراً معلوم ہو جائیگا کہ وہ ابھی
کمال سے بہت دُور ہیں۔

اس لئے چونکہ کوئی شخص اس کمال کو خود نہیں پہنچ سکتا سوائے اسکے کہ وہ وہاں پہنچایا جائے۔ اس لئے ہم یہاں صرف اس امر پر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ اسکے حصول کی کیا راہ ہے۔ اور ساتھ ہی ہم لوگوں کی منّت کرتے ہیں کہ وہ اپنے کو خواہ مخواہ باندھ نہ چھوڑیں اور نہ راستے میں کسی آرام گاہ میں جم کر بیٹھ جائیں جسکا چھوڑنا اشارہ پلٹتے ہی لازمی ہے۔ اور اس اشارہ سے ہر ایک خادمِ دین جو زندہ پانی کا چشمہ دکھاتا ہے اور لوگوں کو اُس میں داخل کرنے کا خواہاں ہے بخوبی واقف ہے۔ اور کیا یہ ایک ایسی بیرحمی نہیں ہوگی جو سخت سزا کی مستحق ہے کہ پیاسے آدمی کو ایک چشمہ تو دکھایا جائے مگر اُسے باندھکر اُسکے پاس جانے سے روک دیا جائے اور اُسے مارے پیاس کے مرنے دیں؟ مگر آج کے دن ٹھیک ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس لئے آؤ جیسا کہ ہم کاملیت کے بارے میں سب متّفق ہیں۔ اُسی طرح اُسکے حصول کے طریق کے بارے میں اتّفاق کریں۔ جس پر کوئی شخص بغیر غلطی میں پڑنے کے شک نہیں لا سکتا۔ یہ طریق اپنا آغاز۔ اور ترقّی اور انجام یا درجۂ کمال بھی رکھتا۔ جسقدر کوئی شخص مقامِ مقصود کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اُسی قدر وہ مقامِ آغاز سے دُور ہوتا جاتا ہے اور مقامِ مقصود یا انجام تک کوئی شخص ہرگز نہیں پہنچ سکتا جبتک مقامِ آغاز دن بدن دُور نہ ہوتا جائے۔ کیونکہ کوئی شخص دروازے سے گزر کر کسی دور دراز مقام کی طرف نہیں جا سکتا جبتک کہ درمیانی فاصلے کو طے نہ کرے۔ یقیناً اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اگر انجام نیک۔ مقدّس اور ضروری ہے۔ اور اگر دروازہ بھی اچھا ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ راستہ جو اس دروازہ سے نکلتا ہے اور براہ راست اس انجام تک لیجاتا ہے بُرا ہو؟ ہائے اکثر آدمی کیسے اندھے ہیں۔ جنکو اپنے علم و تمیز پر اسقدر فخر ہے؟ ہائے اے میرے خدا۔ یہ بات کیسی راست ہے کہ "تو نے بزرگوں اور داناؤں سے اپنے بھید چھپا رکھے ہیں تاکہ اُنہیں بچوّں پر ظاہر کردے"۔ (متی ۱۱: ۲۵)

کتاب ہے

لئے دلچسپ بنو

پاسٹر شتی - جس میں چین

درج ہیں - نہایت مُفید کتاب ہے -

تاویل القرآن - جس میں قرآن شریف

کی غرض سے اُس کی تالیف یعنی جمع و ترتیب کی سچی تاریخ

کیا ہے کہ وہ کسی کل کا جزو متعلقہ ہے - جو اپنے معنی بیان کرے

عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے جن کی وہ تصدیق کرتا ہے ہر گز مستغنی نہیں

- نہایت مُفید اور مقبول عام کتاب ہے - قیمت ۲ / ؎

دین اور اخلاق - جس میں مسیحی تعلیم کی اخلاقی و روحانی حقیقت - الٰہی شخصیت - کفارہ کی تعلیم - پاکیزہ بننے کا طریقہ - جن اصول پر مسیحی تعلیم مبنی ہے اُن کی تشریح - مشخص خدا کے بارے میں مشخص خدا کی شہادت ضمیر کی شہادت اخلاقی خدا کے بارے میں - اخلاقی شہادت یسوع مسیح کے بارے میں مسئلہ ثالوث اخلاقی مکاشفہ ہے اور نیز دیگر باتوں پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت ۸ /

معجزات مسیح - جس میں خداوند یسوع مسیح کے معجزات کی مفصّل شرح و تفصیل درج ہے - اور نیز نصائح و مفید اشارات جو اُن سے مستنبط ہوتے ہیں - یہ ایک نہایت مفید کتاب ہے - قیمت ۸/ مجلد ۱۲/ ؎

مقدمہ معجزات مسیح - جس میں معجزات کی حقیقت اور امکان و مقاصد پر ہر پہلو سے

...ہر ۸/

...اور محمدی مذاہب کے ساتھ
...ہے۔ اور مسئلۂ نجات پر مختلف پہلوؤں سے
...کس چیز سے ہے۔ نجات کس طرح حاصل ہوتی
...ام۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت ۱۲/

...کا احوال ۔ بنین صاحب کی مشہور عالم کتاب یعنی خواب کے
...میں روحانی سفر کا قصہ۔ حصۂ اول و دوم۔ قیمت ۱۲/

تاریخ بائبل ۔ مع حالات دیگر اقوام جن کا بائبل میں ذکر ہے ضخیم کتاب...

حکمت الالہام جس میں مسئلہ وحی و الہام پر مفصل بحث کی ہے۔ دو جلد...

الہام بائبل ۔ مسئلہ الہام پر فلسفیانہ بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۸/

حیات المسیح ۔ مسیح کی زندگی کے مفصل حالات مع مفید مطالب۔ قیمت ۱۲/

زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ ۔ مسیحی تجربہ اور اناجیل کی صحت کے تاریخی ثبوت ۱۲/

مسیح کی پیروی ۔ ٹامس اے کمپس مشہور عالم کی کتاب کا ترجمہ۔ قیمت ۸/

مسیح کا نمونہ ۔ ڈاکٹر سٹاکر صاحب کی مشہور کتاب جس میں ہر امر پر خدا اور مسیح
کی پیروی کے سبق درج ہیں۔ قیمت ۸/

یسوع مسیح کی گرفتاری اور موت ۔ تاریخی اور روحانی طور پر بحث کی ہے ۱۲/

کشف القرآن ۔ قرآن کے مرتب ہونے کی تاریخ عالمانہ طور پر لکھی ہے۔ قیمت ۶/